جلد ۹۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

کی

اوّلین تصنیف

الجہاد فی الاسلام

- جو کہ ۲۳ سال کی عمر میں تحریر کی گئی۔
- جس کی علامہ اقبالؒ نے بھی تعریف وتحسین فرمائی۔
- جسے تحریک قیام پاکستان کے دوران میں مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے کثیر تعداد میں پھیلایا گیا۔
- اسلام کے نظریۂ جہاد اور قانون صلح وجنگ کی بہترین اور مکمل تصویر۔
- دیگر مذاہب واقوام عالم کے جنگی مقاصد و نظریات۔

اور

- بین الاقوامی قوانین قتال کا تقابلی مطالعہ
- اسلامی قواعدِ جہاد کی برتری کے تفصیلی دلائل
- جہاد کے مخالفین ومعترضین کا مسکت جواب
- درجنوں کتب و دستاویزات کے مطالعہ کا نچوڑ

۶۰۰ صفحات ○ قیمت : ۳۶ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن

اچھرہ ○ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۶	اکتوبر ۱۹۸۱ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ	عدد ۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

فون نمبر ——————— ۴۱۰۳۱۶

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ -/۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے اپیج فاروقی ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا -

سفرِ درد کا ایک اور سنگِ میل

پشاور سے آٹھ میل دُور آج ارباب محمد سعید خان کا مرقد ہمارے سفرِ درد کا نیا سنگِ میل ہے !

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتِ اقامتِ دین سے جو اصحاب مرحلۂ اوّل میں اثر پذیر ہوئے اُن میں سے ایک گراں قدر شخصیت ارباب سعید کی تھی۔ اُن کی ذہنی تبدیلی کا آغاز تو زمانۂ طالب علمی ہی میں ہوا، بعد میں یہ مختلف منزلیں طے کرتے کرتے کالعدم جماعت اسلامی صوبۂ سرحد کے امیر مقرر ہوئے۔ وہ سید مودودیؒ کے نہایت معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ اپنی بنیادی تحریکی خدمات کے علاوہ زراعت کاروں اور کاشتکاروں کے حلقوں میں بہت کام کرتے رہے اور گذشتہ ۱½ سال سے مہاجرینِ افغانستان کے لیے فریضۂ انصاریت ادا کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اسی سلسلے میں وہ جیپ پر گلگت جا رہے تھے کہ راستے میں زلزلہ آیا اور ناگہانی طور پر جیپ پر ایک چٹان آگری جس کا اوّلین نشانہ ارباب صاحب کے دوست اور معاون کار عبدالجلیل صاحب (ساکن شاہ عالم) بنے، مگر ارباب سعید نے اُن کے سفرِ آخرت میں حقِ رفاقت ادا کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ارباب صاحب کی جدائی تحریکی حلقوں میں بڑے صدمے کا باعث ہوئی ہے۔ خصوصاً حادثے کی شکل میں وفات دل ہلا دیتی ہے۔

ادارہ ترجمان القرآن کے کارپرداز اور کارکن ارباب سعید اور عبدالجلیل ہر دو مرحومین کے خاندانوں کے دُکھ درد میں حصہ دار ہیں۔ جُدا ہونے والوں کے لیے خدا سے رحمت و مغفرت کے طلب گار ہیں اور غموں کے مقابلے میں اپنے لیے اور اُن کے اعزہ اور پسماندگان کے لیے اور تحریکِ اقامتِ دین کے ہر فرد کے لیے صبرِ جمیل کے آرزو مند ہیں۔ (مدیر)

آخری مرحلے میں یہ المناک خبر ملی کہ چوہدری ظہور الٰہی اور ان کا ڈرائیور دہشت گردی کا نشانہ بن کر ۲۵ ستمبر کو انتقال کر گئے۔ اُن کے ساتھ گاڑی میں سابق چیف جسٹس مولوی مشتاق بھی تھے جو زخمی ہو گئے۔ صرف ایم اے رحمٰن بچ گئے۔ مرحوم کی خدا مغفرت کرے اور اُن کے اہل خاندان کو صبر عطا کرے — مولوی صاحب کو شفا دے اور حکومت کو توفیق دے کہ مجرموں کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچا سکے، اور دہشت پسند عنصر کا قلع قمع کر سکے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۱)

آج ۲۲ ستمبر ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو ہم سے جدا ہوئے دو سال پورے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رخصت ہونے والے رخصت ہوتے ہیں اور پھر دن اور ہفتے اور مہینے اور سال پورے ہو ہو کر گذرتے رہتے ہیں۔

مولانا جیسی شخصیت کو زمانہ بھلا نہیں سکتا۔ اُن کی یاد منانے سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ ہر وہ شخص جسے سید مودودیؒ سے محبت ہو، وہ یہ سوچے کہ اس نے مولانا کے دیے ہوئے پیغام کو کہاں تک پڑھا، سمجھا، جذب کیا اور اس پر عمل کیا۔ جو دعوت انہوں نے دی تھی کیا وہی دعوت ہم آگے پہنچا رہے ہیں؟ دعوتِ حق کے جو طریقے اُنہوں نے کتاب وسنّت سے اخذ کر کے ہمارے سامنے رکھے تھے کیا اُن طریقوں پر ہم کاربند ہیں؟ کیا جیسا کردار اس دعوت کے ساتھ چاہیے وہ ہم میں ہے اور آیا ہم اس میں روز بروز اضافہ کر رہے ہیں یا خدانخواستہ کمی آ رہی ہے؟ کیا وہی جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ ہمارے اندر ہے جس کی تعلیم صاحبِ تفہیم القرآن نے دی تھی؟ کیا سمع وطاعت کا وہی اسلوب و انداز ہماری نگاہوں میں راسخ ہے جس کی فقط علمی نشاندہی ہی مولینا مغفورؒ نے نہیں کی تھی بلکہ برسوں اس کی عملی تربیت بھی ہم کو دی تھی؟ کیا خادمانِ دین اور رفقائے تحریکِ حق کے لیے ہمارے اندر سچا اور گہرا جذبۂ محبت واخوت ہے؟ اور کیا طاغوتی قوتوں، فحشاء ومنکر اور ائمہ فساد وضلالت کے خلاف ہمارے دلوں میں وہی سیلِ جبیں موجود ہے جو کسی سچے مسلمان میں ہونی چاہیے؟

اس سوالنامے کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لیجیے۔ اگر اس معیار پر آپ پورے اُترتے ہیں یا کم سے کم

خاصے اچھے قرار پاتے ہیں تو آپ مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سچے محب بھی ہیں اور ہر آن اُن کی یاد آپ کے ساتھ ہے۔ جہاں مرحوم و مغفور کا لٹریچر ہے، جہاں اُن کی دی ہوئی رہنمائی پہ توجہ برقرار ہے، جہاں اُن کے سکھائے ہوئے فکری اور عملی اسباق یاد کیے جاتے ہیں، وہاں مولینا مودودی کی محبت اور یاد قائم ہے۔

اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ـــ یا ضروری حد سے بہت کم ہے ـــ تو پھر آپ سال منائیں یا ہر مہینے اور ہفتے تقریبیں منعقد کرتے رہیں۔ یہ محض نمائشی کھیل تماشے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر اپنی رحمتیں نازل کرے، انہیں اُن کی بے پایاں خدمات کی وافر جزا دے۔ اور اُن کی ہر بشری کوتاہی سے درگذر فرمائے۔ نیز ہم کو اقامتِ دین کی اس مہم میں پورا پورا حصہ ادا کرنے کی توفیق دے جس میں شامل ہوتے وقت ہم نے اُن سے یا اُن کے نائبین سے عہد استوار کیا تھا، یا اُن کے بعد اُن کے طریقِ کار پہ کام کرنے کا پیمان باندھا تھا! آمین

---

(۲)

"میں اُن کی گردنیں توڑ دوں گا۔"

"میں بہت بے رحمانہ اور سنگدلانہ اقدامات کروں گا۔"

"میں کمزور نہیں ہوں، میں ڈرتا نہیں۔"

یہ الفاظ کسی سرپھرے نوجوان کے نہیں ہیں جو کسی ردِ عمل کی رَو میں پڑ کر جو منہ میں آئے کہتا چلا جائے۔ یہ ارشاداتِ عالیہ ایک مسلم مملکت کے سربراہ کے ہیں۔ اور ان الفاظ کو بغیر حوالے کے اگر نفسیات دان کو معائنہ و تجزیہ کے لیے دیا جائے تو وہ اِن کے مصنف کی ذہنی صحت کا سرٹیفیکیٹ نہیں دیں گے جیسے کہ معتوب برطانوی نمائندے مسٹر ڈیوڈ ہرسٹ نے ۱۹۷۷ء میں ایک انٹرویو کی فلم میں یہ کہا تھا کہ وہ:-

"ایک ایسا ایکٹر ہے جو احساس کمتری میں مبتلا ہے۔"

تذکرہ ہے اُس عظیم شخصیت کا جس کے ہاتھوں حال ہی میں مصری معاشرے میں ایک دھماکہ خیز حادثۂ شکست و ریخت (THE CRACKDOWN IN CAIRO" NEWS WEEK

عمل میں آیا ہے۔ یعنی عالی مقام انوار السادات صدرِ مصر۔

مصر کی موجودہ بڑی پیچیدگیاں چار ہیں جو حقیقی وجۂ اضطراب ہیں:

۱۔۔۔ اقتصادی حالات کی خرابی۔ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر اسلامی اور اشتراکی سارے عناصر متفق ہیں۔ اوّل تو صدر سادات کی غیر متوازن پالیسیوں کی وجہ سے اقتصادی صحت بحال ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر ستم یہ کہ مصنوعات سے لے کر افسروں اور کارکنوں تک ہر ضرورت باہر سے پوری کی جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف صنعتی ترقی ناپید، دوسری طرف مصر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہر سال ایک نئی فوج بے روزگاری کے کیمپ میں لا کھڑی کی جاتی ہے۔ ایک طرف روسی ماہرین باوجود گھر سے تعلقات کے خاتمے کے خاصی تعداد میں موجود ہیں، دوسری طرف امریکی ماہرین چلے آ رہے ہیں۔ پھر ایڈ کا چسکا جب کسی ملک کو پڑ جاتا ہے تو وہ ایڈ دینے والوں کے لیے بہترین منڈی تو بن جاتا ہے، مگر ایڈ کے بل پر وہ خود کفالت کی طویل راہ پر قدم بڑھانے میں بالکل ہی پھسڈی ہو جاتا ہے۔

حد یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے مصر اسرائیل دوستی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اسرائیل نے مرغیاں انڈے نہایت سستی قیمت پر مصر کے بازاروں میں ڈال دیے۔ کیونکہ مصر خود اپنے لیے مرغیاں انڈے بھی فراہم نہیں کر سکتا۔ صدر صاحب نے اسرائیل کے اس احسان کی بڑی تعریف کی۔ مگر دست نافہم اور احسان ناشناس قوم نے اسرائیلی مرغوں انڈوں کو خریدنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ مال اٹھوا کر واپس کرنا پڑا۔ اقتصادی بدحالی کی وجہ سے جو اضطراب اندر ہی اندر بڑھ رہا ہے اس پر نہ تو لاٹھی چارج کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

۲۔۔۔ قبطیوں کا مسئلہ بھی بڑی گہرائی رکھتا ہے۔ مصر میں انیسویں صدی کے آخری حصے سے بیسویں صدی کے اوائل تک مسلمانوں میں دو تحریکیں اٹھیں۔ ایک مصطفےٰ کامل کی قیادت میں جس نے دین و وطن کو ہم آہنگ قرار دیا۔ اس کے مقابلے پر ایک لادین تحریک اٹھی جس کے ایک لیڈر عبدالحمید الزہرادی نے اپنے اخبار الجریدہ میں لکھا کہ جس اسلام کا سیاسی اتحاد حضرت عمرؓ کے دور کے ساتھ اور دینی اتحاد حضرت علیؓ کے انتقال

پر ختم ہوگیا - اس کے احیاء کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - یہ لوگ اسلام کی بنیاد پر قوم کی شیرازہ بندی اور سیاست کی تشکیل کے سخت مخالف تھے - مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں میں تصادم تک نوبت پہنچی مصری قبطیوں نے اپنا وزن لادینی طبقے کے پلڑے میں ڈال دیا - جیسا کہ آج بھی ہر جگہ عیسائی اور دوسری غیر مسلم اقلیتیں کرتی ہیں -

دوسری طرف دونوں قسم کے مسلمان انگریزی استعمار کے خلاف جب جنگ لڑ رہے تھے تو انگریزوں کی خاص اکساہٹ اور پشت پناہی سے قبطیوں نے تعلیم، عہدوں اور معیشت کے میدان میں پُرزور پیش قدمی کی - اس کے نتائج سے مصر آج تک نہیں نکل سکا - مزید یہ کہ مسلمان انگریزوں کی حکومت اور پالیسیوں سے تعاون نہیں کرتے تھے، مگر قبطیوں نے تعاون کیا - اور اسے نعمتِ غیر مترقبہ جانا - انگریزوں نے جس طرح برصغیر میں ہندو اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف متحرک کیا، اس طرح مصر میں قبطی اقلیت کو استعمال کیا - نتیجہ یہ کہ مصری مسلمانوں اور قبطیوں میں ہمیشہ کے لیے سیاسی اور مذہبی اختلافات زور پکڑ گئے - سوال یہ پیدا ہوگیا کہ مصر کا غدار کون اور وفادار کون ؟

اس سوال کا جواب قبطیوں نے اپنے اخبارات "الوطن" اور "مصر" (اجراء ۱۸۷۷ء) میں یہ دیا کہ ہم قبطی فرعونوں کی اولاد ہیں اور مصر کے اصل مالک - ہمارے جسموں میں بیرونی خون کی آمیزش نہیں ہے - اس طرزِ فکر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان اخبارات نے کیا زہر پھیلایا ہوگا - اور کیسی آگ بھڑکائی ہوگی -

آگے چل کے مسلمانوں میں ایک اور نقطۂ نظر ابھرا کہ اسلام ایک ذاتی اور نجی مذہب کے طور پر عقائد و رسوم کی حد تک ضرور رہنا چاہیے، مگر سیاسی نظام دنیوی مصلحتوں کے تحت چلنا چاہیے - دوسرے لفظوں میں دین اور سیاست کو الگ الگ رکھا جائے - اس تحریک کے پیچھے عالمی صہیونیت کام کر رہی تھی جس کا نشانہ ترکی خلافت اور سلطان عبدالحمید کی حکومت تھی - اس تحریک کا لٹریچر لبنانی، شامی، اور مصری عیسائیوں کا تیار کردہ تھا، جسے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے - اس نظریے کے متعلق ایک مشہور اور اہم کتاب "ام القریٰ" ہے جسے عبدالرحمٰن الکواکبی نے لکھا تھا - اس تحریک کی لپیٹ میں وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ آیا جو اپنے حالات پر مغرب کی کشمکشِ ریاست و کلیسا کو چسپاں کرتا تھا - ایسے لوگ ہمارے یہاں بھی ہیں - پہلے زوروں پر تھے - اب ذرا منقار زیرِ پر ہیں -

ایک اور شاخسانہ یہ نکلا کہ برطانوی تہذیب کے زیرِ اثر زُلیخا اور اس کی سہیلیوں اور قلوپطرہ کے

دیس میں، تحریک آزادی نسواں پھوٹ نکلی جس کا فروغ سیکولر سیاست کے لیے ضروری ہے۔ اس آزادی نے وہ گل کھلائے کہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد مصر کے شہروں میں لہو و لعب کے گندے اڈے کھل گئے۔ جہاں ابتدائی دور میں ملکوں ملکوں کے سپاہی اور جہازی عیش کرتے تھے اور پھر دنیا کے سیاحوں کی توجہ اِدھر مبذول ہوگئی۔ اس پہلو سے بھی بگاڑ پھیلانے میں قبطیوں نے بہت بڑا حصہ لیا۔ آزادیٔ نسواں (تحریر المرأۃ) نے نوبت یہاں پہنچائی کہ عربی شاعر مصطفیٰ منفلوطی کے بقول:-

"عورتوں نے نہ صرف اپنے چہرے اور ہاتھ کھول دیے بلکہ آہستہ آہستہ اپنے ساق و سینہ کو بھی عریاں کر دیا۔ ایسے ایسے تنگ لباس ایجاد کیے کہ برہنگی شرمسار ہوگئی۔ عورت اس درجہ برہنہ اور آبرو باختہ ہوگئی کہ مصر کا ہر باضمیر مسلمان چیخ اٹھا"

مسلمانوں اور قبطیوں کے درمیان تعلقات کا یہ نشوونما ہونے ہوتے یکایک ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں مصر کی وزارتِ عظمیٰ ایک قبطی بطرس غالی کے ہاتھ میں آگئی۔ مزید ستم یہ کہ اس کی بیوی یہودی النسل تھی۔ اس شخص نے ۱۹۱۰ء میں امریکی صدر کے استقبالیہ میں جو خطبہ دیا وہ مسلمانوں کے جذبات کے بالکل خلاف تھا۔ بطرس ابراہیم ناصف کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس واقعہ کو قبطی اخبارات نے خوب اچھالا اور مغربی پریس تک اپنا پروپیگنڈا پہنچا دیا۔ ۱۹۱۱ء میں نئے وزیراعظم ریاض پاشا نے اصلاح احوال کی کوشش کی مگر پانی سر سے گذر چکا تھا۔

قبطیوں کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے ایک نگاہ مسلم اکثریتی علاقوں میں سے لبنان، نائیجیریا اور سوڈان کی تاریخ پر ہونی چاہیے، اور عیسائی اکثریت کے علاقوں میں سے فلپائن، یونان، حبشہ اور اریٹیریا کے حالات پر۔ ہم کوئی تفصیل یہاں نہیں دے سکتے۔ آپ تاریخ ہی سے قصہ دریافت کریں۔ بس جو صورت دوسری جگہوں پر ہے وہی مصر میں ہے۔ مسلمان اکثریت میں ہوں تو اقلیت کا لٹھ اُن کے سروں پر، اور اقلیت میں ہوں تو اکثریت کی چھری اُن کی گردنوں پر!

مصر کے قبطیوں کا مسئلہ سمجھنے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ مسلمان مصریوں کے اندر جب کبھی قوت کی لہر اُٹھتی ہے یا اُن کے لیے کوئی مشکل پیدا ہوتی ہے تو لازماً قبطی مسلم فسادات شروع ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور اسرائیلی دوستی اور بیگن کی آمد و رفت کے خلاف جب مسلمان احتجاج کرتے ہیں تو قبطی اُن کے خلاف حکومت کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلم صحافی،

پروفیسر، علماء، عوام اور نوجوان ایک طرف اور حکومت اور قبطی دوسری طرف۔ اندازہ کیجیے، کیسی ٹیڑھی صورت حالات ہے جو حکومت اور عوام کو کبھی ایک دوسرے کے قریب آنے نہیں دیتی اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومت مسلمانوں ہی پر ظلم ڈھاتی ہے۔ قبطی تماشا دیکھتے ہیں۔

مثلاً ۱۹۷۰ء میں قاہرہ اور اسکندریہ میں غذائی بحران کے خلاف جو مظاہرے ہوئے وہ قبطیوں کی انگیخت کے مرہونِ منت تھے۔

پھر ۱۹۷۲ء کے ہنگامے اس موقع پر ہوئے جب اسلام سے برگشتہ کیے جانے والے بعض مسلمانوں کی ہمت افزائی اور انھیں بشارت دینے کے لیے عیسائی مبشرین کی جماعت میدان میں آئی۔

جامعہ خانکہ سال ۱۹۷۷ء کے فسادات کا باعث پوپ شنودہ کا امریکہ کی طرف جھکاؤ تھا اور کارٹر سے اس کی ملاقات جس کا ظاہری عنوان یہ تھا کہ امریکہ کی مالی امداد سے مصر میں جامعۂ قبطیہ قائم کیا جائے۔

جامعہ اسیوط کے فسادات ۱۹۷۸ء میں اس وقت ہوئے جب کہ حکومت کے خلاف اسلامی عناصر کا اظہار اختلاف زوروں پر تھا۔

زاویۃ الحمرا کے فسادات ایسے موقع پر ہوئے جب کہ عراق کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیلی حملے کے خلاف اسکندریہ میں مظاہرات ہوئے اور جامعہ ازہر میں اسلامی جماعتوں کی موتمر کا انعقاد ہوا۔

کنیسہ شبرا کے فسادات خطبائے مساجد کی گرفتاریوں کے موقع پر ہوئے۔

فسادات کا بٹن (SWITCH) دبانے میں پہل بھی بالعموم قبطی کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو خود اشتعال دلاتے ہیں۔ مثلاً جون ۱۹۸۱ء کے مظاہرے وزیر اعظم اسرائیل کی آمد مصر کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے حکومت کے خلاف (نہ کہ قبطیوں کے خلاف) کیے گئے مگر چونکہ قبطی بیگن کی آمد پر بہت خوش تھے، لہٰذا انہیں مسلمانوں کے مظاہرے سخت کھلے اور چبھے۔ انہیں یہ بھی حوصلہ تھا کہ حکومت ہماری پشت پر ہے۔ لہٰذا عین اس وقت جب کہ مسلمان ایک جامع مسجد میں اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے، قریب ہی سے قبطیوں نے ان پر گولی چلادی۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ آگے کیا ہونا چاہیے تھا۔

"المجتمع" کویت ان فسادات کی پُر اسراریت پر لکھتا ہے کہ:۔

"جب کوئی صاحب نظر ان حوادث کو دیکھتا ہے تو وہ یہ حقیقت پا لیتا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے وقت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جب سادات کی مخالفت بڑھ جاتی ہے"۔

دوسرے لفظوں میں قبطی فسادات حکومت کے تحفظ کی ڈھال ہوتے ہیں۔

اِس سلسلے میں بس ایک آخری بات!

امریکہ میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کا سلسلہ شروع کرتے وقت ہی سے صدر سادات کو احساس تھا کہ مخالفت ہوگی اور بطورِ خاص اسلامی رجحان کے لوگ پیش پیش ہوں گے۔ امتیازی نظرِ کرم اخوان المسلمون اور ان کے مرشدِ عام جسٹس عمر تلمسانی اور نوجوانانِ اسلام پر تھی۔ صدر سادات نے اپنے نائب صدر کو یہ فریضہ سونپا کہ وہ اخوانیوں اور دوسرے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے ایک کمیٹی بنا کر نقشہ تجویز کرے۔

ذرا اس کمیٹی کے افراد پر نگاہ ڈال لیجیے۔

۱۔ قاہرہ میں امریکی سفیر کے مشیر — ۲۔ قاہرہ میں اسرائیلی سفیر کے مشیر

۳۔ مصری وزیر داخلہ اسمٰعیل نبوی (قبطی) — ۴۔ مکرم عبید (قبطی)

اس کمیٹی کے بعض خفیہ پروگرام اخبارات تک پہنچ گئے۔ اور ان پر بحث ہوئی۔ حتیٰ کہ پاکستانی اخبارات میں بھی بحث چلی۔ بلی کا وقت سے پہلے تھیلے سے باہر آنا خطرناک تھا۔ لہٰذا حکومتِ مصر نے ساری بحث کو غلط پروپیگنڈا قرار دیا اور کہا کہ ایسی کوئی اسکیم ہمارے سامنے نہیں ہے۔ یوں کمیٹی کے تھیلے کی سلائی کر کے اُسے سربمہر کر دیا گیا۔ مگر آج جب مہر ٹوٹی تو بلی پوری طرح باہر آگئی۔ بلکہ اب تو وہ اچھا خاصا چیتا بن چکی تھی۔ وہی ساری باتیں سامنے آگئیں جو اس وقت اخبارات نے چھیڑی تھیں۔ یعنی امریکہ، اسرائیل اور قبطیوں کے نمائندے یہ طے کرنے کے لیے جمع کیے گئے تھے کہ اخوان اور دیگر ضمیر دار مسلمانوں کے خلاف کارروائی کس طرح کی جائے۔

یہ ہے قبطیوں کا مسئلہ، جن کی تعداد مصر میں ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

مصر کا تیسرا مسئلہ اسرائیل سے معاملہ کرنے کا ہے۔ تین ہی راستے ہیں: اوّل جہاد، دوم خاموش تعطّل، سوم دوستی۔ صدر سادات نے تیسرا راستہ اختیار کیا۔ اور امریکہ نے انگلی پکڑ کر انھیں اس راستے پر چلایا، یہاں تک کہ بات کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے تک پہنچی۔

کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کی راہ میں مصر کے مسلم عوام اور ان کے سیاسی و دینی رہبر حائل ہیں، سب سے

بڑھ کر یہ کہ یونیورسٹیوں کے نوجوان طلبہ حائل ہیں۔ ایک مشہور خطیب نے خطبہ دیتے ہوئے عوام کے افکار و جذبات کی بڑی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ یہ ذکر ہے شیخ احمد المحلاوی کا جن کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ اپنے خطبوں میں صدر صاحب کا نام لے کر اُن پر جھوٹ، فساد، حقائق کے متعلق فریب کاری اور علم و ایمان کی تضحیک کی ذمہ داری ڈالنے والے واحد خطیب ہیں۔ پورے مصر میں اور کوئی ایسی مثال نہیں۔ شیخ المحلاوی بعض اہم چیزوں پر گرفت کرتے ہیں۔ ہم ان کو تلخیص کر کے عرض کرتے ہیں:-

— وہ حکومتی گروہ کی سیادت کے لیے صدر سادات کے [redacted] کو غیر دستوری قرار دیتے ہیں۔

— وہ پارلیمان سے بالا بالا ہونے والی قانون سازی یا جاری ہوئے احکامات کو خلاف دستور کہتے ہیں۔

— وہ صدر سادات کی سربراہی میں کام کرنے والی حزب الوطنی (یا نیشنل پارٹی) پر سخت تنقید کرتے ہیں، خصوصاً انتخابات میں اس کی دھاندلیوں پر۔

— وہ کیمپ ڈیوڈ والے معاہدے کو دستاویز ذلت قرار دیتے ہیں۔ اور صاف صاف کہتے ہیں کہ معاہدے بھی غلط اور سادات کی سیاست بھی غلط۔

— وہ کہتے ہیں کہ صدر صاحب بیگن کے ساتھ جمعرات کے دن شرم الشیخ کے مقام پر کس لیے ملے؟ کیا صدر صاحب اس یہودی کے پھندے میں گرفتار ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ کیوں اپنے آپ کو یگانۂ روزگار قائد سمجھتے ہیں؟ کیا یہ سبز روشنی ہے جو جھلملا رہی ہے؟ لوگ کیا کہتے ہیں۔ اس فاجر یہودی بیگن نے حکومت مصر کے منہ پر سیاہی لیپ دی ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ مصر کے مسلمانوں کی تذلیل ہوئی ہے، کیونکہ مسلمانوں نے تو اس دوستی کو قبول ہی نہیں کیا ہے۔

— صدر سادات کہتے ہیں کہ ہمارا حملۂ اکتوبر آخری لڑائی تھی۔ اب کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی لڑائی نہیں ہوگی جب کہ وہ مقدس مقامات کی بے حرمتی کریں۔ جب کہ وہ تمام حدود کو توڑ دیں، جب کہ وہ سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کو قید میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چاہیں تو وہ ہمارے اس ملک کی دولت کو لوٹ لے جائیں۔ یہ کچھ ہے اے عوام! جو تمہارے حکام نے شرق و غرب سے تمہارے لیے سمیٹا ہے۔

کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور مصر اسرائیل دوستی کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ جیسے کہ ہم نے اوپر بتایا اسرائیل کی سستی مرغیوں اور انڈوں کا عوام نے بائیکاٹ کیا اور سارا مال واپس اٹھوا دیا۔ اسی طرح جب

بیگن صاحب حال ہی میں مصر میں دوستی کا جھنڈا گاڑنے کے لیے تشریف لے گئے تو مصریوں نے بہت برا مانا اور مظاہرے کیے۔ سادات صاحب قوم کے حلق سے اس ہڈی کو اتارنا چاہتے ہیں، مگر وہ بری طرح اٹک گئی ہے۔

سیدھا سا مسئلہ سیاست یہ ہے کہ یا تو کسی اقدام سے پہلے رائے کو اس کے لیے تیار کرو، یا بعد میں لوگوں کو مطمئن کرو۔ اگر یہ نہیں ہو پاتا تو پھر بجائے اس کے کہ لاٹھیوں سے لوگوں کے سر پھوڑے جائیں اور انہیں جیلوں میں ٹھونس کر اذیت دی جائے یا اُن کی گردنیں توڑنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ اس قدم کو واپس لے لو جو قوم کو پسند نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں تو پھر مستعفی ہو جاؤ۔ مگر حکام خصوصاً ڈکٹیٹر حضرات اس سیدھے راستے کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ ٹیڑھے راستوں پر چلتے ہیں اور قوم کو مار پیٹ کر اپنے ساتھ گھسیٹتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دن یکایک انہیں معلوم ہوتا ہے کہ سر پر تاج نہیں، اور نشست کے لیے تخت نہیں، بلکہ اتنا ہی بہت ہے کہ جان سلامت ہے۔

اس صورتِ حالات نے مصر کو اس مقام پر پہنچایا ہے کہ یہ ملک عربی اقوام سے کٹ گیا ہے اور عرب لیگ سے اس کا اخراج ہو چکا ہے۔ دوسری طرف امریکہ کا پروگرام یہ ہے کہ وہ مصر میں اسرائیل سے بھی بڑا اڈا قائم کرے تاکہ تیل کے علاقوں کو ایک طرف سے اسرائیل اور دوسری طرف سے امریکہ اپنی زد میں رکھے۔ چنانچہ سرزمینِ مصر پر امریکی فوج موجود ہے اور اس کی جنگی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔

اپریل ۱۹۸۱ء کے الدعوۃ میں جسٹس عمر تلمسانی نے بھی صاف صاف لکھ دیا کہ کیمپ ڈیوڈ کا سمجھوتہ قرآن و سنّت اور عالمِ اسلام کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

اب ہم مصر کے چوتھے بھاری مسئلے کو لیتے ہیں۔ یہ ہے تحریک احیائے اسلام کا مسئلہ!

پہلے تو تمہیداً میں یہ کہنا چاہتا ہوں تقریباً سارے ہی مسلم ممالک کو اس صورتِ حالات کا سامنا ہے کہ ایک طرف ہر جگہ کے حکمران طبقے، بیوروکریسی کے کل پرزے اور جدید مغربی تعلیم کے سحر زدہ عناصر لادینی طرزِ فکر کے حامل ہیں۔ دوسری طرف ہر جگہ مسلمانوں کے اندر قدیم اور جدید دونوں طرح کے مردانِ کار تیزی سے احیائے اسلام کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں۔ اوّل الذکر طبقے کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ گو وہ آخری حد تک اسلام

کے اقدام کو روکنے کے لیے اڑنگے لگا رہا ہے۔ پروپیگنڈا، سازشیں، شرارتیں، سیاسی استبداد وغیرہ حربوں سے تاریخ کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے کی کوششیں عروج پر ہیں۔ مگر اسلام کو ایک کارفرما قوت کی حیثیت دلانے کی سعی و جہد کرنے والی طاقت ہر جگہ بڑھ رہی ہے۔ یہ تحریک عجیب و غریب ہے کہ دنیا کے کمزور ترین مسلمان بھی اس سے سرشار ہیں اور دبائے اور ستائے جانے کے باوجود اپنے عزائم کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔ مسلمان جماعتیں پھیلنے اور ابھرنے کے لیے زور لگا رہی ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے ملکوں میں جو بھی حکمران آتے ہیں۔ وہ نئی ابھرنے والی قوتوں سے ہم آہنگ ہو کر ان سے قومی زندگی کی تعمیر کا کام لینے کے بجائے ان کو بار بار ختم کرنے کے لیے زور لگاتے ہیں، مگر وہ ہر آزمائش کے بعد نئی کونپلیں اور بھی تیزی سے چھوڑنے لگتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ غلط الفکر سیکولر مزاج حکمران بار بار پیچیدگی سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کے دماغوں کی نسوں میں پڑی ہوئی گانٹھ کسی طرح کھلتی ہی نہیں۔ کیا یہ لوگ ہر جگہ ایسے سیلابِ تند کے منتظر ہیں جو ان کو مع ان کے طرزِ فکر اور ان کے حمایتیوں کے بہا لے جائے۔

صدر سادات بھی اپنے ذہنی بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور غصے میں آ کر کہتے ہیں کہ میں سارے سمندر کو ملیامیٹ کر دوں گا۔ اور تمام موجوں کو گرفتار کر کے شکنجۂ عقوبت میں کس دوں گا۔ آہ دوسروں کی خوشنودی پر اپنی قوموں کو تباہ کرنے والے یہ لوگ!! ——— انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تاریخ کیوں انگڑائیاں لے رہی ہے اور ستاروں کی گردش کیوں تیز ہے؟

مصطفےٰ کامل کا ہم ذکر کر چکے ہیں، مصر کا یہ سرفروش، اسلام کا محب اور عوام کا معتمد رہنما ۱۹۰۸ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی تحریک نے لادینی عناصر اور تفریقِ دین و سیاست کے علمبرداروں کا زور توڑنے میں خاصا کام کیا۔ قدرت نے اس کا خلا بہترین طور پر پُر کرنے کے لیے قاہرہ کی بستی محمودیہ میں ایک بچے کو آغازِ حیات کا اذن دیا جو آگے چل کر الامام حسن البناء کے نام سے معروف ہوا۔ اِس شخص نے قہوہ خانوں اور ہوٹلوں میں جا جا کر وہاں جمع ہونے والے نوجوانوں اور ملازموں اور محنت کشوں تک دعوتِ حق ایسے مؤثر انداز میں پہنچائی کہ لبیک کہنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی۔ اسلام کے ان سپاہیوں کو الاخوان المسلمون کے نام سے منظم کیا گیا۔ گزشتہ جنگِ عظیم کے خاتمے پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے الاخوان نے زوردار عوامی تحریک چلائی۔ پھر تنظیم میں اتنا پھیلاؤ آیا کہ فعال کارکنوں کی تعداد ۵ لاکھ

تک پہنچ گئی۔

انگریزی دور میں نقراشی پاشا اس تحریک کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور مستعفی ہوگیا۔ پھر اسمٰعیل صدقی پاشا نے حکومت سنبھالی تو اخوان کے خلاف شدید کارروائی کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں اخوان نے ازہر سے بہت بڑا احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت حسن البنا کر رہے تھے۔ جلوس نے تمام عرب حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جائے۔ اس جلوس اور اس مطالبے سے انگریز اور یہودی دونوں چکرا گئے۔ تب ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مارشل کے حکم نمبر ۳ کے تحت اخوان کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی اخوان پر شدید مظالم کا دور شروع ہوگیا۔ بعد ازاں ابراہیم پاشا وزیراعظم بنا اور رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کی شام کو حسن البنا سرِ راہ شہید کر دیے گئے۔

پھر ۱۹۵۴ء میں صدر ناصر نے اخوان کو خلاف قانون قرار دیا، رہنماؤں کو گرفتار کیا۔ موت کی سزائیں دیں، جیلوں میں اذیتیں دی گئیں۔

سید قطب جو ۱۹۶۴ء کے وسط تک جیل بھگتتے رہے، رہائی کے بعد ان کو اگست ۱۹۶۶ء میں پھر پکڑ لیا گیا۔ اور فوجی ٹربیونل میں مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت دے دی گئی۔ یہ محض اسلامی نظریات کی علمبرداری کی سنگین سزا تھی جو ایک خاموش طبع مفکر و مصنف پر نافذ کر دی گئی۔ مگر سید قطب کے افکار اور تحریروں کو پھانسی نہ دی جا سکی۔

۱۹۶۷ء میں صدر ناصر پر دل کا دورہ پڑا، جیتے جی تو وہ محض ذہنی دورے میں مبتلا رہے۔

۷۲-۱۹۷۱ء میں صدر سادات آئے تو انہوں نے اخوان کے خلاف پابندیوں کو نرم کیا اور رہائیاں عمل میں آئیں۔

صدر سادات کے اقتدار پر آنے کے ۲ برس بعد مصری فوج نے نہر سویز پار کر کے اسرائیل سے مصری مقبوضات واگذار کرانے کے لیے جنگ کی۔ اس کامیاب اقدام نے صدر سادات کو مضبوط کر دیا اور مصری قوم کو متحد۔ اس مرحلے پر صدر سادات نے روس سے تعلقات ختم کر دیے۔ اور امریکہ سے چاہ اتنی بڑھائی کہ امریکہ نے سادات کو مصر اور اسرائیل کو دوستی کی راہ پر ڈال کر یروشلم پہنچا دیا۔ نومبر ۱۹۸۰ء میں یروشلم پوسٹ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھائیں گے خواہ ان کی کتنی ہی مخالفت کی جائے۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ اسیوط یونیورسٹی کے مسلم طلبہ نے سادات کے خلاف

مظاہرے کیے جب کہ قبطی طلبہ نے مقابلے پر سادات کی حمایت میں جلوس نکالا۔ تصادم کے خطرے کو روکنے کے لیے یونیورسٹی بند کر دی گئی۔

• یاد رہے کہ ماضی میں اخوان پر جو ظلم توڑے گئے تھے اور آج تک جو پابندی اُن پر جاری تھی، ان کی وجہ سے اخوان المسلمون نامی تنظیم کی جگہ یونیورسٹی، مسجدوں اور محلوں میں بے شمار اسلامی تنظیمیں رونما ہوگئیں جن میں مصری نوجوان حصہ لے رہے تھے۔ ڈاڑھیاں تیزی سے نوجوان چہروں پہ نمودار ہونے لگیں اور خواتین چادریں اور اسکارف اوڑھنے لگیں۔ بعض نے ایسے برقعے پہن لیے جن میں آنکھوں کے سوا سارا جسم ڈھنپ جاتا۔ نائٹ کلبوں اور شراب خانوں والے مصر میں تہذیب کا یہ حشر ہو رہا تھا تو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔

صدر سادات کو ڈاڑھی اور پردہ، دو چیزیں بہت ناپسند ہیں، اور ہر سیکولرسٹ کا یہی خاصا ہے۔ وہ برابر اس بڑھتے ہوئے اسلامی رنگ پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مصر کے اضطراب انگیز حالات میں عوام کی ذہنی رہنمائی پوری طرح اسلامی عناصر کے ہاتھ میں تھی۔ اس وجہ سے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق اُن پہ بھرپور وار کیا گیا۔ یہ اسی تاریخی لہر کو روکنے کی ایک اور کوشش ہے جس کے خلاف نقراشی پاشا سے لے کر صدر ناصر تک مختلف لوگ پورا پورا زورِ بازو صرف کر چکے تھے۔ اس لڑائی کے جرنیلوں نے پچھلے عرصے میں مجموعی طور پہ مصری مسلمانوں کی جو قوت برباد کی ہے اُس کے مقابلے میں اگر نتائج کو سامنے رکھ کر سوچا جاتا تو اس لاحاصل بربادی کے بجائے قوم کی اکثریت کے اُبھرتے ہوئے دینی رجحانات کو قبول کر لیا جاتا۔ مگر بادشاہتیں اور آمریتیں اس طرح سوچا نہیں کرتیں۔ وہ بار بار کی شکست کے باوجود وقت سے لڑتی رہتی ہیں۔

متذکرہ چار وجوہ سے صدر سادات اس وقت ذہنی اضطراب کے ایک خطرناک گرداب سے دوچار ہیں۔ اس حالت میں وہ جو کچھ کر گذریں بعید نہیں۔ مگر گرداب کی گرہ کھولنے کی حکمت اُن کو نہیں آتی۔

ڈکٹیٹر دیکھنے میں خوفناک حد تک مضبوط ہوتا ہے، مگر فی الحقیقت حد سے زیادہ کمزور۔ تنقید و اختلاف کی آواز اُس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے، کوئی مخالفانہ تقریر ہو جائے تو وہ غصّے سے کانپنے

لگتا ہے۔ کوئی چھوٹا سا مظاہرہ ہو جائے تو اُس کی جان پر بن جاتی ہے۔ محاورے کی زبان میں پتہ کھڑکے تو اُس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر پیچ در پیچ مسائل اس سے اپنا حل مانگنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور وہ حل پیدا نہ کر سکے تو پھر وہ ساری قوم سے لڑ جاتا ہے۔

اب جو کارروائیاں مصر میں ہو رہی ہیں ان میں کوئی توازن نہیں، ان کی بنیاد کسی معقول منطق اور ٹھوس استدلال پر نہیں۔ اندھا دھند فیصلے ہیں جنہوں نے سارے معاشرے کو تلپٹ کر دیا ہے۔

۶ سیاسی اور مذہبی اخبار بند کر دیے گئے — ۶۷ صحافیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اسلامی تنظیموں کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ اور اُن کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ جسٹس عمر تلمسانی جیسے دینی قائد، محمد حسین ہیکل جیسے ادیب و صحافی، شیخ عبدالحمید کشک جیسے خطیب اور ابو اسمٰعیل جیسے رکن پارلیمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ صدر سادات کے اپنے ابتدائی اعلان کے مطابق مجموعی طور پر ۱۵۷۵ (بقول نیوز ویک ۲½ ہزار سے زائد) گرفتاریاں کی گئیں۔ نشانہ بننے والوں میں ادیب، صحافی، دانشور اور علماء سب طرح کے لوگ شامل ہیں۔ واضح رہے کہ یہ "کارِ خیر" ابھی جاری ہے۔ پروفیسروں اور صحافیوں کے بکثرت تبادلے کیے جا رہے ہیں۔ ۴۰ ہزار مساجد کو حکومت کی تحویل میں لینے کا فیصلہ سنا دیا گیا ہے۔ اور فوری طور پر ۶ "خطرناک" مساجد پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ یونیورسٹیاں پولیس کے حوالے کر دی گئی ہیں۔

اِن اقدامات کا اصل نشانہ چونکہ اخوان المسلمون ہیں، اس وجہ سے صدر سادات نے پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اور ٹیلی وژن سے قوم کو خطاب کرتے ہوئے، نیز پریس کانفرنس میں اُن پر زبردست حملے کیے ہیں۔ فرمایا:

> "یہ لوگ اس سال کے اوائل میں فرقہ وارانہ فساد کرانے میں ملوث تھے۔ اخوان مذہب کی آڑ میں دہشت گردی پھیلا رہے تھے۔ مسجدوں میں مذہب کو سیاست سے خلط ملط کر رہے تھے۔ مصر کو مذہبی اور سیاسی انتہا پسندوں اور بدنظمی پھیلانے والوں سے نجات دلانے کی مَیں نے قسم کھائی ہے۔ اب مَیں اس تنظیم کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتوں گا، بلکہ بے حد سنگدلانہ اور بے رحمانہ اقدامات کروں گا۔ اگر کسی مذہبی انتہا پسند کے پاس اسلحہ پایا گیا تو مَیں اُس کی گردن توڑ دوں گا۔ مَیں جنونیوں سے نمٹ رہا ہوں۔ اُن کے باعث ملک کے جمہوری عمل کو خطرہ ہے۔"

ہم نے مختلف اقوال کو یک جا کر دیا ہے۔ آخری جملہ بڑے کمال کا ہے۔ جمہوریت کی پرورش ڈکٹیٹرشپ کی گود میں ہونے کی کرامت مصر میں کوئی برگ و بار لے آئے تو خوب ہوگا۔ امریکہ جیسے حامی مصر ملک کا ہفت روزہ نیوز ویک مصری جمہوریت کو "ناتواں جمہوریت" (FRAIL DEMOCRACY) قرار دیتا ہے۔ ہماری نگاہ میں فالج زدہ بھی ہے۔

اب ذرا اوپر کی کارروائیوں کو دیکھیے اور متذکرہ الفاظ کو پڑھیے۔ کیا یہ سب کچھ سیکولر انتہا پسندی اور جنونیت کا بہترین نمونہ نہیں ہے۔ نہ کسی عدالت کا ذکر، نہ قانون کا حوالہ، بس سیدھے سیدھے میں یہ کروں گا۔ کیا اسی "بیل" کے بیج سے جمہوریت پھوٹے گی؟

صدر سادات کے ذہن پر خمینی انقلاب بُری طرح سوار ہے۔ ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ وہ نہ تو "شاہ ایران" ہیں اور نہ مصر کو ایران بننے دیں گے۔

ضمناً یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ اصل لڑائی تو ہوئی مذہبی جنونیوں سے، مگر عوام کی توجہ بٹانے اور حکومت کی مجبوریوں کا احساس دلانے کے لیے عین اسی موقع پر روسی سازش کا شاخسانہ بھی کھڑا کر دیا گیا ہے۔ پہلے کہا گیا کہ ایک سازش، پھر اطلاع دی گئی کہ تین سازشیں۔ دو چار دن بعد پانچ سات بھی ہوسکتی ہیں۔ روس کو تو سازشیں کرنا ہی ہیں۔ اس میں نئی بات کیا ہے؟

دعویٰ یہ ہے کہ روسی سفیر ایک ایسی سازش کے سرغنہ تھے جس میں مشرقی بلاک کے متعدد سفارت خانے اور مصری کمیونسٹ ملوث تھے۔ نیز یہ کہ روسی سفارت خانے میں کے جی بی کے کئی ارکان کام کر رہے تھے۔ روسی سفیر ولادیمیر پولیا کوف اور ۶ دیگر روسی سفارت کاروں کو ۴۸ گھنٹے میں مصر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ ۴ روسی صحافیوں کو بھی سازش میں حصہ لینے کے الزام کے تحت نکال دیا گیا۔ ۲۳ مصری باشندوں کو اسی سازشی چکر کی لپیٹ میں لیا گیا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ایسے تمام معاہدے منسوخ کر دینے کا اعلان کر دیا گیا ہے جس کی رو سے روسی شہریوں کو مصر میں بین الاقوامی اداروں کے اندر کام کرنے کی اجازت تھی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مصر میں روسی سفارت خانے میں اتنی ہی تعداد ارکان ہونی چاہیے جتنی روس میں مصری سفارت خانے کے ارکان کی ہے۔ اس وقت روس کے ۱۴ ارکان کے مقابلے میں مصر کے ۱۰ ارکان کام کر رہے ہیں۔

روسی سازش کے علاوہ ایک اور اقدام یہ کیا گیا کہ قبطیوں کے پوپ شنودہ کی پاپائیت کو ختم کر کے

اُسے دُور کی ایک دیہاتی خانقاہ میں زیرِ نگرانی رکھا گیا ہے۔ اس گرفتاری کے متعلق نیوز ویک تک نے بھی لکھا ہے کہ یہ محض دکھاوے کا ایک اقدام ہے تاکہ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ نزلہ انہیں پر گرا ہے، قبطیوں کو بھی حصّہ دیا گیا ہے۔

اب ذرا اجمالاً اُس ردِّ عمل کا بھی جائزہ لے لیجیے جو حکومت کے اقدامات کے نتیجے میں نمودار ہوا۔
سب سے پہلے تو سامنے آتی ہے بشپ شنودہ کی مبارک باد۔ ظاہر ہے کہ حالیہ واقعات پر قبطیوں کو مسرت کیوں نہ ہوتی ہوگی۔ اسرائیل نے بھی گھی کے چراغ جلائے ہوں گے۔ امریکہ نے تو گویا مصری ڈپلومیسی کو پوری طرح فتح کر لیا۔ امریکہ جہاں جائے کمیونسٹوں سے بڑھ کر اسلامیوں کو مرواتا ہے۔
پھر قابلِ توجہ ہے سعودی عرب کی طرف سے سادات کی تائید و حمایت۔ وجہ ظاہر ہے کہ تجدید پسند مسلم نوجوانوں کی طاقت سے جو ڈر سادات کو ہے وہی سعودی عرب کے حکمرانوں کو ہونا چاہیے۔ مگر سعودی عرب کے لیے بہتر یہ تھا کہ اسلامی تنظیموں اور مسلم نوجوانوں کی مظلومیت پر اظہارِ درد کر کے اُن کے جذبات کو ساتھ لینا۔ دوسروں کے مقابلے میں آنے سے پہلے از خود اُن کے مقابلے پر جا کھڑے ہونا مفید نہیں ہے۔
اصل مبحث یہ ہے کہ خود مصر میں کیا ہوا؟
قاہرہ کے الاہرام میں ۱۱ ستمبر کو یہ اطلاع شائع ہوئی کہ مسجد النور سے بہت بڑا جلوس نکلا اور مظاہرہ ہوا۔ تفصیلی قصہ یہ ہے کہ الشیخ عبدالحمید کشک، شیخ احمد المحلاوی اور شیخ صباح ابو اسمٰعیل (رکن پارلیمنٹ) جیسے عظیم المرتبت خطیبوں کو گرفتار کر لیا اور اُن کی جگہ سرکاری خطیب بھیجے گئے۔ سرکاری خطیب مسجد النور میں پہنچا تو اذان ہوتے ہی لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے شروع کر دیے۔ خطیب کو بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ محافظین کے حلقے میں وہ ہجوم سے بچ بچا کر نکلا۔ نماز جمعہ کے بعد ہزاروں مسلمان قرآن سروں پر رکھے اور کلمہ پڑھتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ ان لوگوں نے صدر سادات کی پالیسیوں کے خلاف نعرے بھی لگائے۔ پولیس نے روکنا چاہا تو ہجوم نے پتھراؤ کیا۔ آخر لاٹھی چارج کیا گیا۔ اور آنسو گیس برسائی گئی۔ ہزاروں آدمی زخمی ہو گئے۔ اور سیکڑوں نوجوان طلبہ گرفتار کر لیے گئے۔
اسی طرح جامع دیر الملاک میں شیخ عبدالحمید کشک خطیب تھے۔ اُن کے خطبات کی کشش کا حال یہ تھا کہ لوگ گروہ در گروہ آتے اور مسجد کے اردگرد کی تمام سڑکیں نمازیوں سے بھر جاتیں۔ اب جو شیخ کو گرفتار

کیا گیا تو لوگ اُن کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ چنانچہ یہاں بھی وہی ہوا۔ ہزاروں افراد کا ہجوم مظاہرے کے لیے نکل آیا۔ لاٹھی چارج ہوا، بے شمار لوگ زخمی ہوئے اور گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

اخبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس روز ۳۰ ہزار افراد سڑکوں پہ آگئے تھے اور جابجا پولیس سے جھڑپیں ہوئیں۔

ردّ عمل ابھی جاری ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب کیا ہو گا۔

اخوان کے لیے ہمارے سینوں میں سچی ہمدردیاں ہیں۔ اُن کی ہر تکلیف میں ہم حصہ دار ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدر سادات زنجیروں اور لاٹھیوں سے رائے عام کا رُخ بدلنے اور تحریک احیائے اسلام کے آگے بند باندھنے کے بجائے اگر حکمت و تدبر اور صداقت و انصاف کا راستہ اختیار کریں تو اُن کے لیے بھی بہتر ہے اور ملک و قوم کے لیے بھی۔

ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اخوان چند سرپھرے اور جنونی افراد کا نام نہیں، بلکہ یہ ہزاروں لاکھوں افراد کا کارواں ہے جس میں خدا اور رسولؐ پر سچے ایمان کے ساتھ جدید علوم سے آراستہ مدبّرین اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ہے اور یہ مصر ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پورے عالمِ عرب میں پھیل چکے ہیں۔ بلکہ برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں ان کے حلقے کام کر رہے ہیں۔ یہی نہیں، دُنیا کے کسی گوشے میں جہاں بھی احیائے اسلام کی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ وہاں وہاں اُن کے ہزاروں بھائی پھیلے ہوئے ہیں۔

عالمِ اسلام کی یہ عظیم تاریخی قوت جس کی ایک بڑی صف اخوان ہیں، اُسے اب نہ زنجیریں پہنا کے روکا جا سکتا ہے اور نہ اُسے گولیوں کا نشانہ بنا کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اس کے سامنے اس پر ظلم کرنے والی مختلف قہرمان قوتیں پچھلی نصف صدی میں ختم ہو چکی ہیں۔ اسی طرح مزید بدمستانِ اقتدار اسٹیج پر اپنا خوفناک جلوہ دکھا کر رخصت ہو جائیں گے۔ باقی صرف وہ رہے گا جو خدائے باقی کے ساتھ ہے۔

انسان کی حقیقت

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

یورپ کا فکری غلبہ

ہر تہذیب جب برسرِ اقتدار آ جاتی ہے اور وسیع و عریض خطۂ ارضی پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو پھر وہ اپنے مخصوص تصورِ انسان، تصورِ زندگی اور تصورِ کائنات کے مطابق انسانی زندگی اور اس کے متعلقات کی از سرِ نو تشکیل اور تدوین کرتی ہے۔ نئے افکار، نئے اقدار اور نئے اخلاق و کردار کو رواج دیتی ہے۔ پرانے تصورات کی جگہ نئی توجیہات پیش کرتی ہے۔ علوم و فنون کو نیا رُخ اور نئی ترتیب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نقطۂ نظر زندگی کے ہر گوشہ میں حاوی آجاتا ہے پھر وہ انا ولا غیری کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ مفتوح اور پس ماندہ اقوام اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

گذشتہ چند صدیوں سے دُنیا کا قافلہ سالار افرنگ بنا ہوا ہے۔ افرنگی تہذیب آج دُنیا کی غالب تہذیب ہے۔ اس کی چمک دمک کے سامنے سب کی آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں۔ علوم و فنون اور حکمت و فلسفہ کی تدوین اُس نے اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔ اُس نے نیا تصورِ انسان، نئی اقدارِ حیات اور نئے معیارِ کردار کو رواج دیا ہے۔ انسان اور کائنات کے متعلق یورپ نے خالص مادی اور لادینی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ کائنات میں اور انسان کے اندر اسے صرف مادہ کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس کے نزدیک انسان بھی ایک حیوان ہے۔ بس ذرا اعلیٰ درجہ کا حیوان ہے۔ اس لیے انسانی زندگی کے لیے محرکِ عمل اور مقصودِ کد و کاوش بھی یا شکم پروری ہے یا شہوت برآری۔ عقلِ انسانی کو بھی وہ مادہ سے ہی مستخرج مانتا ہے۔ زندگانی کے مسائل کو حل کرنے میں وہ عقل کے وسیلہ کو کافی اور وافی سمجھتا ہے۔ رُوح کے وجود کا وہ منکر ہے۔ خدا اور آخرت کا وہ عملاً انکاری ہے۔ مذہب اور اخلاق سے وہ بے نیاز ہے۔ یہ وہ بنیادی افکار و تصورات ہیں جن پر یورپ نے اپنی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان محل تعمیر کیا ہے۔

اہلِ مغرب کی فتوحاتِ ارضی کے ساتھ ساتھ مغربی علوم و فنون اور مغربی تہذیب و تمدن نے ساری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسری تمام تہذیبیں مغلوب ہوگئیں۔ ساری دنیا میں مغربی افکار و تصورات رائج ہوگئے۔ یہ کام چند وجوہ کی بنا پر سہل ہوگیا۔ سائنس اور علومِ طبیعیات میں اہلِ مغرب کی غیر معمولی ترقی، ان کی حیرت انگیز ایجادات و اختراعات نے ساری دنیا کو محوِ حیرت بنا دیا۔ اس وجہ سے ساری دنیا میں اہلِ مغرب کے حق میں عمومی حسنِ ظن پیدا ہوگیا۔ دنیا ان کے ہر رطب و یابس کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اس ذہنی کیفیت کے پیشِ نظر مغرب کے صرف علوم طبیعی ہی نہیں بلکہ علوم انسانی کو بھی برحق تسلیم کر لیا گیا۔ ہزارہا سالوں کی کدوکاوش سے اہلِ مشرق نے علومِ انسانی کی جس انداز پر تحقیق کی تھی اور جس طریقہ پر مرتب کیا تھا، اس کو رد کر دیا گیا۔ انسان سہولت پسند واقع ہوا ہے۔ بنے بنائے راستہ پر چلنا پسند کرتا ہے۔ نیا راستہ نکالنے کی زحمت اور صعوبت سے گھبراتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ زوال آمادہ ہو چکا ہو۔ مشرقی اقوام نے بھی سپر ڈال دی اور مغربی افکار و تصورات کو قبول کر لیا۔ مغرب کا سکہ سب جگہ رائج ہوگیا۔ مغربی طوفان کی لہروں میں اس وقت ساری دنیا بہی چلی جا رہی ہے۔ سب کے قدم اپنی جگہ سے اکھڑ چکے ہیں۔ جو لوگ طوفان میں بہہ رہے ہیں، وہ بھلا طوفان کی حقیقت کیا سمجھ سکتے ہیں، جو شخص خود مریض ہے وہ مرض کی کیا تشخیص کر سکتا ہے۔ یہ کام تو کوئی دوسرا ہی شخص انجام دے سکتا ہے، جو اس طوفان سے باہر ہو، بشرطیکہ وہ طبیبِ حاذق ہو اور مرض کا فہم رکھتا ہو۔

مسلمان قوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے مسلمانوں کو اپنی آخری کتاب قرآن مجید سے نوازا ہے۔ قرآن مجید ہر دور کے انسانوں کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ اس نے مسلمانوں کو آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی نوازا ہے۔ سنتِ رسولؐ انسانوں کے لیے مستند نمونۂ زندگی ہے۔ مسلمانوں کے پاس کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی دوگونہ کسوٹیاں موجود ہیں۔ وہ ہر نظریہ اور ہر عمل کو ان کسوٹیوں پر پرکھ کر ان کی صحت اور عدمِ صحت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ دنیا والوں کے پاس ایسی کوئی کسوٹی نہیں ہے جس کے حوالہ سے وہ اپنے افکار اور نظریات کی صحت کا فیصلہ کر سکیں۔ یورپ کا مفکر آزاد ہے۔ جو فکر چاہے پیش کر دے۔ جو طریقہ چاہے رواج دے دے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ مسلمانوں میں کسی فکر کو قبولیت عام حاصل کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پشت پناہی اور استناد کی ضرورت ہے۔ اگر وہ فکر مستند نہیں ہے تو پھر بے وقعت ہے۔ اگر کبھی خارجی

سہاروں کی مدد سے کسی فکر کو مسلمان معاشرہ میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے اُس کو ہرگز قبول نہیں کیا ہے - ایک مفاد پرست طبقہ اس سے متاثر ہوتا ہے - خارجی سہارے ہٹتے ہی وہ طبقہ بھی پسپا ہو جاتا ہے - اور وہ فکر اپنی موت آپ مرجاتی ہے -

علوم و حکمت، فنون و ادب، ہر قسم کی فکری سرگرمی پر گفتگو کرنے سے قبل انسان کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہونی چاہیے - اس لیے کہ خواہ علوم و حکمت ہوں خواہ فنون و ادب، ہر جگہ تصورِ انسان عکس ریز ہوتا ہے - مغرب نے انسان کی حقیقت کے متعلق گمراہ کن افکار و نظریات کو وسیع اشاعت دے دی ہے - جس کی وجہ سے علوم و فنون میں کج نظری اور کج روی پیدا ہو گئی ہے - فساد فکر و عمل کی شاخ یہیں سے پھوٹتی ہے -

انسان محض حیوان نہیں انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب بڑی حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ انسان کی حقیقت کون بتائے؟ کیا ایک پتھر، ایک مشین اپنی حقیقت خود بیان کر سکتی ہے؟ کیا ایک انسان نوع انسانی کی حقیقت بیان کر سکتا ہے؟ انسان کی حقیقت صرف وہ ہستی بیان کر سکتی ہے جو انسان کی خالق ہے، جو انسان کے آغاز اور اُس کے انجام سے بخوبی واقف ہے، جو انسان کے ظاہر اور باطن بلکہ وساوسِ قلب تک سے باخبر ہے - اس لیے علیم و خبیر خداوند تعالیٰ کے علاوہ دوسری کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو انسان کی حقیقت بیان کر سکے - دوسرا کوئی فرد اس کا اہل نہیں ہے کہ انسان کی حقیقت بیان کر سکے - اگر کسی نے حقیقتِ انسان بیان کرنے کی جسارت کی ہے تو وہ محض ظن و تخمین ہے - اس کو حقیقت کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے -

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے کیا بیان کی ہے - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے -

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا - پھر اُسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کر دیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر بوٹی سے ہڈی بنائی، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا - پھر اُسے ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا - پس بڑا ہی بابرکت ہے (اللہ) سب کاریگروں سے اچھا کاریگر"۔

(مومنون - ۱۲ - ۱۴)

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی، پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح ہے۔ پھر اُسے نک سک سے درست کیا، اور اُس کے اندر اپنی رُوح پھونک دی۔ تم کو کان دیے اور دل دیے، مگر تم کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (سجدہ ۔۔۔ ۹-۷)

ا ۔۔۔ ان ارشاداتِ خداوندی سے جو بات پہلی نظر میں واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ انسان کو مادی جسم ملا ہے۔ انسان ایک مادی وجود ہے۔

ب ۔۔۔ ان ارشادات سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ گوشت پوست سے بنا ہوا حیوان ہے۔ وہ کھاتا ہے، پیتا ہے۔ جسمانی خواہشات رکھتا ہے۔ انسان ایک حیوانی وجود ہے۔

ج ۔۔۔ تیسری بات ان ارشادات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کو کان، آنکھ وغیرہ حواس ملے ہیں اور غور و فکر کرنے والا دل ملا ہے۔ انسان ایک صاحبِ عقل و فہم ہستی ہے۔ انسان ایک عقلی وجود رکھتا ہے۔

د ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ (اعراف ۔ ۲۲)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " پھر اُس کی بدی اور پرہیز گاری اس پر الہام کر دی (شمس ۔ ۸)

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا کا تصور اوّل روز سے انسان کے اندر موجود ہے۔ نیکی اور بدی کا تصور بھی آغاز سے ہی انسان کے اندر موجود ہے۔ اخلاقی اقدار کا احساس طبعاً اُس کو حاصل ہے۔ اس طرح انسان ایک اخلاقی وجود رکھتا ہے۔

ہ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ " اور تمہاری صورت بنائی، اور بڑی عمدہ بنائی، اور اس کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے۔" (تغابن ۔ ۳) ۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "خبردار رہو، اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے (رعد ۔ ۲۸)

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان مادی ماحول پر قانع نہیں رہ سکتا۔ وہ اس کے پسِ پردہ حقیقتِ مستور کا پتہ لگانا چاہتا ہے۔ وہ حقیقتِ کبریٰ کا عرفان اور تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اس کے قرب ہی سے اس کو راحت اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ انسان ایک روحانی وجود رکھتا ہے۔

تخلیقِ آدم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آخر میں ایک جگہ تو فرمایا ہے کہ "پھر ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا"۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "ہم نے اُس کے اندر اپنی رُوح پھونک دی"۔ یہ آیات اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ انسان مادی الاصل ہونے کے باوجود، ایک حیوانی جسم رکھنے کے باوجود درحقیقت وہ ایک اعلیٰ قسم کی مخلوق ہے۔ وہ مادی وجود بھی رکھتا ہے۔ حیوانی وجود بھی رکھتا ہے، عقلی وجود بھی رکھتا ہے اور اخلاقی وجود بھی رکھتا ہے۔ اور سب سے اشرف و اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ روحانی وجود بھی رکھتا ہے۔ سارے وجود اس کی ذات میں ایک وحدت بن گئے ہیں۔ سارے دھارے مل کر ایک چشمہ بن گئے ہیں۔ اس کی مادیت اور حیوانیت اس کی اخلاقیت اور رُوحانیت کے تابع ہے۔ انسان ایک جامع اور کثیر الجہات ہستی ہے۔ انسان درحقیقت ایک رُوحانی مخلوق ہے، رُوح کو اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ مادی جسم اور یہ جبلتیں عطا ہوئی ہیں۔

ایسی جامع ہستی کو اہل یورپ نے بس ایک حیوان قرار دیا ہے، ذرا اعلیٰ درجہ کا حیوان۔ اور پھر حیوانی جبلتوں اور جسمانی خواہشات کو ہی انسانی زندگی کا منتہا و مقصود قرار دے دیا۔ اہل یورپ کی یہ کوتاہ نظری اس قبیل کی ہے جیسے کسی سیارہ میں کوئی مخلوق آباد ہو، وہ پانچ کے بجائے صرف چار حواس کی حامل ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قوم کا سرمایہ علم و نظر ناقص ہوگا، بمقابلہ اس قوم کے جو حواس خمسہ سے آراستہ ہے۔ انسان کا ناقص تصوّر اختیار کر کے اہل یورپ نے اپنے فکری اور نظری سرمایۂ علم میں نقص کو قبول کر لیا۔ کج بینی اور کج نظری اس کے سارے فکری سرمایہ کا خاصہ بن گئی۔ اہلِ یورپ نے علم و آگہی کے قافلے کو گمراہی کے غاروں میں دھکیل دیا ہے۔ آج عالمِ انسانیت کی ساری مصیبتوں اور ناکامیوں کی جڑ یورپ کی کج نگاہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بزرگ و برتر اور اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تحقیق ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں۔ اور اُن کو پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر

نمایاں فوقیت بخشی" (بنی اسرائیل — ۷۰)۔

یہ آیت درحقیقت انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ تمام مخلوقات ارضی پر اُس کو نمایاں برتری حاصل ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔"

"میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں" (البقرہ — ۳۰)

پھر اس خلیفہ کو اپنی کارگردگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے تصرف و اختیار کی وسیع آزادی بخشی۔ زمین و آسمان کی تمام طبعی قوتوں کو انسان کے لیے بالقوہ مسخر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے" (لقمان — ۲۰)

یہ اور دیگر آیات دُنیا میں انسان کی حیثیت کو واضح کرتی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص مخلوق ہے۔ وہ غیر ذمہ دار حیوان نہیں ہے بلکہ انتہائی ذمہ دار خلیفہ ہے۔ اس کو دیگر مخلوقاتِ ارضی پر تصرف و اختیار حاصل ہے۔ دُنیا میں بھیجنے سے مقصود اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا ہے۔ اُس کی آزمائش کرنا ہے تاکہ وہ ایک برتر اور افضل تر مقام یعنی جنت میں رہائش کا اہل بن سکے۔ کہاں یہ شرف اور یہ فضیلت جو اللہ تعالیٰ انسان کو عطا کر رہا ہے۔ اور کہاں وہ پستی، اہلِ یورپ کا منبعِ علم، کہ انسان صرف حیاتیاتی حیوان ہے اور بس۔

اسلامی بنکوں کی عالمی تحریک

اسلامی بنکوں کے قیام اور ان کے مستقبل کا ایک جائزہ

جناب خلیل احمد حامدی صاحب

دورِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے مصلحین کی مسلسل تلقین کے نتیجے میں جہاں دوسرے بعض پہلوؤں میں اسلامی تعلیمات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ وہاں معاشی میدان میں بھی اس امر کی جانب توجہ مبذول ہو رہی ہے کہ کس طرح موجودہ معاشی زندگی کو سود سے پاک کر کے اسلام کے پیش کردہ متوازن و پاکیزہ اصولوں پر اُسے استوار کیا جائے۔ اسی احساس کے نتیجے میں مسلمانوں میں سے کچھ صاحبِ درد حضرات نے بنکنگ کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے کی تحریک چلا رکھی ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں کچھ حوصلہ افزا پیش رفت بھی کی ہے۔ یہ کوشش ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔ لیکن ہمیں اُمید ہے کہ جس منظم اور حکیمانہ طریقے سے یہ کوشش سرانجام دی جا رہی ہے وہ ضرور اپنے نتیجہ خیز اثرات پیدا کرے گی دُنیا کے اندر اسلامی تحریک کی کامیابی کی بنیادی شرائط میں سے ایک نہایت اہم شرط یہ ہے کہ موجودہ معاشی نظام کے مقابلے میں وہ انسانیت کے سامنے عدل و توازن پر مبنی معاشی نظام پیش کرے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ موجودہ سودی معاشی نظام کے بجائے دُنیا کو غیر سودی معاشی نظام سے روشناس کرایا جائے۔

بہر حال یہ کسی قدر اطمینان اور خوشی کی بات ہے کہ غیر سودی بنکاری اور غیر سودی تجارت کی تحریک بروئے کار آچکی ہے۔ اور وہ نہ صرف روز افزوں ترقی کر رہی ہے بلکہ اپنے راستے میں حائل مشکلات کا ازالہ کرنے کی بھی مخصوص تجاویز سامنے لا رہی ہے۔ بنکاری اور تجارت کا سارا نظام اس وقت

سود خوار طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ اس نظام کے بانی گو یہودی اور ہندو مہاجن ہیں لیکن اب پورا عیسائی یورپ اس پر عمل پیرا ہے اور جدید اقتصادی نظام کی تو گویا یہ ریڑھ کی ہڈی سود ہے۔ ستم یہ ہے کہ اب خود مسلمانوں کے اندر بھی یہ نظام اتنا رچ بس چکا ہے کہ جونہی غیر سودی معاشی نظام کا تجربہ کرنے کی کوئی آواز اُٹھتی ہے، سود خوار طبقے اس کی مخالفت کرنے اور اسے ناقابل عمل قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیشہ انسانی تاریخ میں جہد للبقا کی جنگ لڑی گئی ہے اور اس جنگ میں ہمیشہ بقا اُسے نصیب ہوئی ہے جو اَنفع اور اَصلح تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ سودی نظام اور غیر سودی نظام کی باہمی کشمکش میں آخر کار دنیا غیر سودی نظام کو قبول نہ کرے، جو ظاہر ہے کہ سودی نظام کے مقابلے میں انفع اور اصلح ہے۔

پہلا تجربہ غیر سودی بنکاری کا سب سے پہلا تجربہ سوشل سیکورٹی بنک آف مصر کی شکل میں ہوا۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ رباط ۱۹۶۹ء کے فیصلے کے تحت جب جدہ میں اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس کے اندر ایک شعبہ اس غرض کے لیے کھولا گیا کہ وہ غیر سودی بنکاری کے امکانات و مسائل کا مطالعہ کرے۔ چند مصری ماہرین نے اس موضوع پر خصوصی توجہ دی، اور انہوں نے "مصری مطالعہ برائے اسلامی بنکاری" کے نام سے ایک جامع دستاویز مرتب کی۔ اصل تجویز تو یہ تھی کہ اسلامی سیکرٹریٹ کی سرپرستی میں ایک اسلامی بنک کھولا جائے گا، مگر مصری ماہرین نے عملی اقدام کر ڈالا اور قاہرہ میں ۱۹۷۲ء میں غیر سودی بنیادوں پر سوشل سیکورٹی بنک قائم کر دیا۔ آخر کار شاہ فیصل مرحوم کی خصوصی توجہ کی بدولت ۱۹۷۵ء میں جدہ میں دوسرا غیر سودی بنک "اسلامی ترقیاتی بنک" کے نام سے کھولا گیا۔ یہ بنک مسلم حکومتوں کے اشتراک و تعاون سے قائم ہوا تھا۔ اور اس سے استفادہ کرنے والے بھی افراد نہیں بلکہ حکومتیں ہی ہیں۔ لیکن چونکہ عالم اسلامی کی سطح پر غیر سودی بنکاری کے تجربے کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لیے اس کی متعدد حلقوں کی طرف سے شدید مزاحمت کی گئی۔

سعودی عرب کے ایک اسلام پسند مخلص تاجر شیخ احمد صلاح جمجوم جو اس میدان میں شروع سے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں، اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اسلامی بنکوں کے قیام کی تاریخ میں ہرگز فراموش نہیں کر سکتا۔ اس تاریخ کا آغاز

اُس وقت سے ہوتا ہے جب مرحوم شاہ فیصل نے اسلامی بنک کے قیام کا مصمم ارادہ کرلیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب جدہ میں اسلامی کانفرنس کے اجلاس ختم ہوئے تو جدہ میں سودی بنکوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھرمار ہونے لگی اور وہ شب و روز اس امر کے لیے کوشش کرنے لگے کہ اسلامی بنکاری کی مساعی کو پراگندہ کردیں۔ اس طرح کا خیال رکھنے والوں کو الجھا دیں اور اسلامی بنک کی کامیابی کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور وسوسے پھیلائیں۔ اسلامی ترقیاتی بنک کے قیام کی قرارداد صادر ہونے کے بعد فرانس کے بعض اخبارات اور رسائل نے یہاں تک لکھا کہ:-

اگر اسلامی بنک اپنی صحیح شکل میں قائم ہوگیا تو یہ مغرب کے لیے ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ یہ لوگ درحقیقت دین کے دشمن ہیں بڑی سرگرمی سے۔ اپنا زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے عزائم میں پوری طرح کامیاب ہوگئے لیکن وہ اس میں ضرور کامیاب ہوگئے کہ جس مقصد کے لیے اسلامی ترقیاتی بنک قائم کیا گیا تھا اُسے بڑی حد تک مجروح کردیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بنک نے کم از کم وقت میں جو مہمات و فرائض انجام دینے تھے اور جو نشوونما حاصل کرنی تھی وہ نہ ہوسکی۔"

(روزنامہ المدینہ - جدہ شمارہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء)

ایک طرف سودخوار مہاجنوں کا گروہ ہے جو بالفعل دُنیا کے اندر سرمایہ کاری کے نظام پر چھایا ہوا ہے اور وہ اپنے ذوقِ سودخوری سے ہرگز دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے، مگر دوسری طرف مسلمانوں کے اندر ایسے خدا کے بندے بھی بکثرت موجود ہیں جو صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ سُود کی لعنت سے محفوظ رہیں اور سُود کی شکل میں خدا و رسولؐ کے خلاف جو جنگ برپا ہے اُس میں شریک نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خواہش کی بدولت اسلامی ترقیاتی بنک وجود میں آئے۔ اور پھر مسلم ماہرینِ اقتصاد کی لگاتار کوششوں کے بل پر مسلم ممالک کے اندر جگہ جگہ اسلامی بنکوں کے اجراء کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

تین مزید غیر سودی بنک ۱۹۷۵ء ہی میں دبئی میں وہاں کے ایک مشہور تاجر جناب احمد سعید لوتاہ نے اپنے کاروباری شرکاء کے ساتھ مل کر "اسلامی بنک آف دبئی" کے قیام کا اعلان کردیا۔ اس کا ابتدائی

سرمایہ ۵۰ ملین درہم تھا جو ایک لاکھ کھاتوں میں تقسیم کیا گیا۔ متحدہ عرب امارات، قطر اور کویت کے مسلمان سرمایہ داروں نے اس بنک کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ اور اب یہ بنک مختلف تجرباتی ادوار سے گذر کر اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے۔

پھر ایک سال کے وقفے سے جب ۱۹۷۷ء کا آغاز ہوا تو اسلامی بنکوں کے قیام کا فرض سعودی عرب کے ایک نیک طینت شہزادے شاہ فیصل مرحوم کے لڑکے امیر محمد الفیصل نے سنبھال لیا۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں اُن کی اور اُن کے چند صحیح الفکر رفقاء کی مساعی حمیدہ سے ایک اسلامی بنک قاہرہ میں "فیصل اسلامی بنک آف مصر" کے نام سے اور دوسرا اسلامی بنک خرطوم میں "فیصل اسلامی بنک آف سوڈان" کے نام سے جاری کر دیا گیا۔ مصر کا فیصل اسلامی بنک آٹھ ملین ڈالر کے سرمائے سے قائم ہوا۔ اس سرمائے کو ۸۰ ہزار حصص میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں ۵۱ فیصد حصّے مصریوں کے لیے اور ۴۹ فیصد حصّے سعودی شہریوں کی ملکیت قرار پائے۔ اس کے مقابلے میں سوڈان کے فیصل اسلامی بنک کا ابتدائی سرمایہ دس ملین سوڈانی پاؤنڈ تھا۔ اور یہ سرمایہ ایک ملین حصص میں تقسیم ہوا۔ غیر سوڈانی مسلمانوں کو بھی اس کے حصص خریدنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ اس بنک کے چالیس فیصد حصص سوڈانیوں کے لیے۔ چالیس فیصد سعودی باشندوں کے لیے اور بیس فیصد دیگر مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیے گیے۔

سوڈانی بنک کا پس منظر

یہ دونوں بنک بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں۔ فیصل اسلامی بنک آف سوڈان کی خود سوڈان کے اندر تین مزید شاخیں کھل چکی ہیں۔ یہ بنک صنعت وحرفت کے میدان میں اصولِ شراکت کے تحت سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ سوڈان کی ام درمان اسلامی یونیورسٹی کے تحت فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے ڈین ڈاکٹر طٰحہٰ حامد یوسف العالم سوڈان میں اسلامی بنک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اسلام کو ایک جامع نظامِ زندگی کی حیثیت سے روبکار لانے کے لیے جب خواہش ابھری تو اس کے ساتھ ہی اسلامی بنکوں کے قیام کا نظریہ ابھرا۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے کہ سوڈان کی ام درمان اسلامی یونیورسٹی میں اسلامی اقتصادیات کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا گیا، نیز خود یونیورسٹی کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ام درمان شہر میں ایک اسلامی بنک بھی کھولا جائے۔ ڈاکٹر احمد النجار، جو اب اسلامی بنکوں کے

بین الاقوامی ادارے کے ڈائرکٹر منتخب کیے جاچکے ہیں، شعبۂ اقتصادیات کے سربراہ تھے، اُن کی کوششیں اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شعبۂ اقتصادیات سے کئی ایسے نوجوان فارغ ہوکر نکلے جو اسلامی اقتصادیات اور جدید اقتصادی نظام دونوں میں مہارت حاصل کرچکے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں فیصل اسلامی بنک خرطوم میں کھول دیا گیا۔ اس بنک کے معاملات کی نگرانی کے لیے ایک شرعی بورڈ بھی قائم کیا گیا جس کا میں بھی (یعنی ڈاکٹر حامد یوسف العالم) ایک رکن ہوں۔ بنک کے ملازمین کی طرف سے ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا ہوا۔ کیونکہ وہ فقہِ اسلامی کے احکام اور اصطلاحوں سے نابلد تھے۔ چنانچہ ہم نے انھیں شریعت کے احکام و تصورات اور اسلامی فقہ کی اصطلاحات سے روشناس کرانے کے لیے کئی تربیتی کورس جاری کیے جو ان لوگوں کے لیے بڑے مفید ثابت ہوئے اور اُن کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ شرعی احکام کو وہ کس طرح بنک کے مختلف کاموں پر منطبق کریں"۔

(المدینہ۔ جدہ۔ شمارہ ۱۳ مارچ ۱۹۸۱ء)

ڈاکٹر یوسف حامد العالم ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز (اُم درمان یونیورسٹی) محض ایک روائتی مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ سوڈان کی اسلامی تحریک کے اہم ستون ہیں۔ اسلامی فقہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اور سوڈان کے اندر اسلامی نظام کے قیام میں نہایت مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

حوصلہ افزا نتائج فیصل اسلامی بنک سوڈان کی تازہ ترین رپورٹ جو عرب اخبارات میں چھپی ہے اس میں بنک کی ترقی اور کامیابی کا جو حجم پیش کیا گیا ہے وہ بنکاری کی دنیا میں ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ ہفت روزہ الدعوۃ ریاض شمارہ یکم جون ۱۹۸۱ء کے مطابق گذشتہ سال اور سال رواں کے اندر بنک کے کاروبار کا دائرہ ایک ہزار دو سو فیصد کے حساب سے پھیلا۔ اصل سرمایہ پر جو منافع ہوا۔ وہ ۴۵۵ فی صد ہے۔ یہ تمام منافع حصہ داروں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کا صرف ۲۰ فی صد تقسیم کیا گیا ہے۔ اس طرح سے بنک کا سرمایہ پانچ گناہ بڑھ گیا۔ اور سرکاری بنکوں کے بعد فیصل اسلامی بنک سوڈان کا سب سے بڑا بنک بن گیا ہے۔ سوڈانی اقتصادیات کو بھی اس بنک کے ذریعے تجارت اور کاروبار کے میدان میں بڑی تقویت پہنچی ہے۔

قاہرہ کے فیصل اسلامی بنک نے بھی ۱۹۸۰ء ــــ ۱۹۸۱ء کی جو رپورٹ شائع کی ہے۔ اُس سے

بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مصری مسلمانوں کے اندر اس کی شہرت و مقبولیت روز افزوں ہے۔ قاہرہ برانچ کی رپورٹ کے موجب سرمایہ کاری کے کھاتے میں سالانہ آمدنی ۱۲،۰۳ فیصد ہوئی۔ اصل سرمایہ پر آمدنی مع زکوٰۃ ۴۹، ۱۶ فیصد اور زکوٰۃ نکال کر ۱۰، ۱۴ فیصد ہوئی۔ مالی ذرائع میں اضافہ ۵ء۴۳ فیصد ہوا۔ نئے حسابات کا تناسب ۲۲ء۸ فیصد رہا۔ ۱۹۸۱ء میں اسیوط، اسکندریہ اور ازہر میں نئی برانچیں کھولی جائیں گی۔ اگلے سال مزید تین برانچیں طنطا، سویز اور مصر الجدیدہ میں قائم کی جائیں گی۔ بنک کی اس رپورٹ پر ماہرین نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ سوڈان کے فیصل اسلامی بنک کی تازہ رپورٹ بھی تحریک اسلامی کے حلقوں میں مسرت کا موجب بنی ہوئی ہے۔

کویت کا اسلامی بنک

۱۹۷۷ء ہی کی بات ہے کہ کویت کے مسلمان تاجروں نے بھی اس میدان میں قدم رکھ دیا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ کویت مالدار ترین عرب ملک ہے۔ اور کویت ہو یا دوسرے خوشحال عرب ممالک اب کا بیشتر سرمایہ یورپی اور امریکی بنکوں کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اور یوں مسلمانوں کے سرمائے سے یہودی اور عیسائی ادارے دُنیا کے اندر سُودی نظام کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ کویت کی اسلامی تحریک کی تگ و دو کے نتیجے میں کویتی تاجروں کی معتد بہ تعداد نے مل کر کویت میں اسلامی بنک کی طرح ڈال دی۔ اس کا نام ہے بیت التمویل الکویتی (کویت فنانس ہاؤس) آغاز میں اُس کا راس المال دس ملین کویتی دینار تھا، جسے دس ملین حصص میں بانٹ دیا گیا۔ اور ایک حصہ کی قیمت ایک دینار رکھی گئی۔ ان تین سالوں کے اندر کویتی فنانس ہاؤس نے جو ترقی کی ہے، وہ بھی کویت کے مسلمانوں کے لیے خوش آیند مستقبل کی نوید ہے۔ یہ بنک دوسرے اسلامی بنکوں کی طرح ہر نوعیت کے حسابات رکھتا ہے۔ جاری کھاتہ، بچت کھاتہ اور میعادی کھاتہ۔ تینوں کھاتوں میں اُس نے بنکاری شروع کر رکھی ہے۔ بنک قرض کا لین دین کرنے کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر کام کرتا ہے اور خود براہ راست سرمایہ کاری بھی۔ جائدادوں کی خرید و فروخت، عمارات کی تعمیر، زرمبادلہ کی خرید و فروخت اور مالی دستاویزات کا اجراء اور لیٹر آف کریڈٹ کا اجراء اس کے کاروباری میدان ہیں۔ مشارکت، مضاربت اور مرابحت کے اسلامی اصول اس کے کاروبار کی حدود ہیں۔ اس بنک نے فقہ اسلامی کے نام سے ایک شعبہ کھول رکھا ہے اور اس کے اندر ایک نامور ازہری عالم دین کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ جو بنک کو قدم قدم پر شرعی اصولوں کی

روشنی میں مشورے دیتے ہیں۔ اور کسی ایسے غلط کاروبار سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ بنک کے چیئرمین جناب احمد البزیع الیسین خود بھی اسلامی علوم سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اور کویت کی اسلامی تنظیم جمعیت الاصلاح کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ یہ جمعیت کویت میں صحیح اسلامی معاشرے کے قیام اور اسلامی شریعت کے نفاذ کی علمبردار ہے۔

سال رواں میں کویتی فنانس ہاؤس نے میعادی کھاتے داروں کے لیے جس حلال منافع کا اعلان کیا ہے۔وہ ۲۰٫۴۵ فیصد ہے۔ جب کہ کویت ہی کے سودی بنکوں نے میعادی کھاتوں پر ساڑھے گیارہ فیصد سے زیادہ سود نہیں دیا۔ عوام الناس کا رجحان بھی اس بنک کی طرف بہت بڑھ رہا ہے۔ سالِ رواں میں اس نے تین نئی شاخیں کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مرکزی شاخ میں عورتوں کے لیے الگ اور باپردہ شعبہ کھولا گیا ہے۔ جہاں بنک کے تمام کاموں کے لیے خواتین مقرر کی گئی ہیں۔ یعنی حساب دانی کے فرائض سرانجام دینے والی اور کمپیوٹر پر کام کرنے والی اور رقم کالین دین کرنے والی سب اسلام پسند خواتین ہیں۔

عمان کا اسلامی بنک

اگلے ہی سال یعنی ۱۹۷۸ء میں اسلامی بنک آف عمان کا قیام عمل میں آگیا۔ اور اردن کے مسلمان بھی اس مبارک قافلے میں شریک ہو گئے۔ اس بنک نے چار ملین اردنی دینار کے ابتدائی سرمائے کو چار ملین حصوں میں تقسیم کر کے کام کا آغاز کر دیا۔ علمائے اسلام کی ایک قابل قدر ٹیم اس کی قانونی اور شرعی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور وہ ہر مسلمان جو سود سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہتا ہے سودی بنکوں کے بجائے اسلامی بنک میں سرمایہ جمع کروا رہا ہے۔ گو ملکی اور غیر ملکی سودی بنک حوصلہ شکنی اور درپردہ سازشوں میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے ——— مگر اس سب کے باوجود مسلم سرمائے کا بہاؤ اسلامی بنک کی طرف جاری ہے۔ علی الخصوص نوجوان طبقہ جو تیزی کے ساتھ اسلامی تحریک سے متاثر ہو رہا ہے ہر قیمت پر اسلامی بنک کو کامیاب کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔

بحرین میں اسلامی بنک

۱۹۷۹ء میں اسلامی بنک آف بحرین کے قیام کی خوشخبری پہنچی۔ اس کے قیام کے لیے بحرین کی جمعیت اصلاح کے صدر جناب عبدالرحمٰن الجودر کی تگ و دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ تاہم یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ بحرین اور کویت دونوں جگہ مقامی حکومتوں نے بھی تعاون کیا ہے اور اسلامی بنکوں کو سرکاری تحفظ دے کر ان کے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔ اسلامی بنک آف بحرین

کی تاسیس میں مقامی سرمائے کے علاوہ اسلامی ترقیاتی بنک کا تعاون بھی خوشگوار صورت میں ہوا ہے۔ یعنی یہ بنک جس نے بیس ملین بحرینی دینار کے سرمائے سے دس ملین حصص سے اپنی مہم کا افتتاح کیا ہے اُس میں بنیادی سرمائے کا ۱۵ فی صد اسلامی ترقیاتی بنک نے ادا کیا ہے۔ قطر میں بھی اسلامی بنک کے اجراء کا نظریہ پایا جاتا تھا۔ مگر قطر کے وزیر داخلہ شیخ جاسم خلیفہ نے راقم کو بتایا کہ بعض عناصر کے افسوسناک رویے کی وجہ سے یہ اسکیم ختم کر دی گئی ہے۔

پاکستان کے بنکوں میں غیر سُودی کاؤنٹر ۱۹۸۰ء کا سال پاکستان کے حصے میں آیا، اور حکومتِ پاکستان نے ایک فرمان کے ذریعے تمام ملکی بنکوں کے اندر غیر سُودی کاؤنٹر کھول دیے۔ لیکن اسلامی بنکوں کی بہ نسبت پاکستان کا طریق کار مختلف ہے۔ پیچھے جتنے بنک ہم نے گنوائے ہیں۔ وہ ایک الگ اور مستقل ادارے کی حیثیت سے وجود میں آئے ہیں۔ اور اُن کو چلانے کے لیے بھی ہر جگہ ایسی مشینری فراہم کی جا رہی ہے جو اخلاص اور اسلامی شعور دونوں جذبوں کے ساتھ بنکاری کے اُمور کو سرانجام دے۔ مگر پاکستان نے مخلوط طریقہ اختیار کیا ہے اور پرانے سُودی اداروں، سُودی ماہرین اور سُودی حساب دانوں کو ایک اضافی خدمت پر بھی سپرد کر دی ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے سُودی نظام کو چلائیں اور دوسرے ہاتھ سے غیر سُودی بنکاری کے تجربے کریں۔ مزید برآں یہ کہ غیر سُودی نظام تو نفع ونقصان کے اُصولوں پر قائم ہے، مگر اس کے مقابلے میں سُودی ذہن رکھنے والوں نے ساتھ ہی دفاعی بچت کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے اور اُن پر ۱۴ فیصد قطعی سُود دینے کا اعلان بھی کر رکھا ہے۔ اور پروپیگنڈے کی مہم بھی چلا رکھی ہے۔ پاکستان میں اسلام کے بارے میں جو دوغلی پالیسی چل رہی ہے اس کے اثرات غیر سُودی شعبے پر بھی پڑے ہیں۔ غیر سودی بنیادوں پر حاصل کیے گئے سرمائے کو استعمال کرنے کا بھی جو طریق سامنے آیا ہے۔ وہ شکوک وشبہات سے خالی نہیں ہے۔

مزید ترقی یہ چند اسلامی بنکوں کا ہم نے آپ کے سامنے تعارف پیش کیا ہے۔ ایک اسلامی بنک جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں بھی قائم ہو چکا ہے۔ اور اس وقت کارکردگی اور پیش قدمی کے لحاظ سے جو تین اسلامی بنک سرفہرست ہیں اُن میں سے ایک ہے۔ یعنی فیصل اسلامی بنک سوڈان اور فیصل اسلامی بنک مصر اور تیسرا اسلامی بنک آف جنیوا۔ اسلامی بنکوں کے عالمی وفاق کے سربراہ

امیر محمد الفیصل کا بیان ہے کہ عوامی پیمانے پر اسلامی بنکوں کے قیام کے لیے اب تک ۲۱ درخواستیں موصول ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بالفعل ۱۱۔ایسے مالی ادارے قائم کیے جا چکے ہیں جن کی بنیاد شریعتِ اسلامی پر رکھی گئی ہے۔ ایک خلیج سرمایہ کاری کمپنی، دو اسلامی انشورنس کمپنیاں اور ۹ اسلامی بنک۔

اسلامی بنکوں کا بنیادی نظریہ اسلامی بنکوں کے اندر جو بنیادی نظریہ کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بنک لوگوں کو نقد سرمایہ قرض پر نہیں دیتے، جس طرح سودی بنک سود پر سرمایہ لگاتے ہیں، اور کبھی سرمائے کا سیلاب اُٹھا دیتے ہیں۔ اور کبھی قحط پیدا کرتے رہتے ہیں۔ نئے اسلامی بنک کاروبار میں مشارکت و مضاربت تک محدود رہتے ہیں۔ اس طرح ایک تو نقد سرمائے سے جو غلط نوعیت کے کاروبار چلائے جاتے ہیں وہ نہیں ہوتے۔ اور دوسرے کاروبار میں بنک حصہ لے کر مُلکی معیشت کو متحرک کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسلامی بنکوں کا دوسرا بنیادی نظریہ خود کرنسی کے اساسی تصور سے متعلق ہے۔ مغرب کے ماہرینِ اقتصادیات روپے کو سامان قرار دیتے ہیں۔ یعنی جیسے انسان کے لیے زمین اور جائداد اور مشینری سامان ہے، اسی طرح روپیہ بذاتِ خود ایک سامان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ماہرین جس طرح زمین، عمارت، جائداد اور مشینری وغیرہ کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نقد روپے کو کرائے پر دینا بھی درست سمجھتے ہیں۔ اور اسی کا نام سُود ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی بنک اور مسلم ماہرینِ اقتصاد روپے کو فی نفسہٖ سامان یا جنس (COMMODITY) نہیں بلکہ ذریعۂ حصولِ سامان و اجناس سمجھتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں نقود قیمت نہیں ہیں بلکہ نقود قیمت کا پیمانہ ہیں یعنی نقود فی نفسہٖ قیمت نہیں سمجھے جاتے۔ بلکہ اُن کی قیمت وہ خدمات ہیں یا وہ اجناس ہیں جو اُن کے ذریعے سے خریدی جا سکتی ہیں۔ اسی تصور نے اسلامی بنکوں کا راستہ بنیادی طور پر سُودی بنکوں سے الگ کر دیا ہے۔

اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر محمد الفیصل اسلامی بنکوں کے قیام میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں خوش کُن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ مسلم ماہرینِ اقتصادیات کی سنجیدہ ٹیم لگا رکھی ہے۔ اس بنا پر اُمید کرنی چاہیے کہ یہ تحریک نہایت ٹھوس اور صحیح خطوط پر یقیناً آگے بڑھتی رہے گی۔ اتحاد البنوک الاسلامیہ (اسلامی بنکوں کے وفاق) کے نام سے ایک ادارہ چار سال پیشتر مکہ معظمہ میں قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ بھی امیر محمد الفیصل ہیں۔ اس کا مقصد اسلامی بنکوں

کے مابین ہم آہنگی اور تعاون کو بروئے کار لانا ہے تاکہ یہ بنک اپنے مسائل مل کر حل کریں، یکساں پالیسی اختیار کریں۔ اور اتفاقِ باہم سے نئے اسلامی بنک قائم کریں۔ ظاہر ہے کہ اس مرحلے پر عالمی سودی نظام کا سامنا کرنے کے لیے متحدہ محاذ کا وجود امر ناگزیر ہے۔ اسلامی بنکوں کے وفاق کا ایک باضابطہ نظام وضع کر لیا گیا ہے، اسی نظام کے تحت اسلامی بنکوں نے اس کی رکنیت اختیار کی ہے۔

عربی کا محاورہ ہے: الحاجة ام الاختراع (ضرورت ایجاد کی ماں ہے)۔ اسلامی بنکوں کی تحریک کو بھی ایجاد کا سہارا لینا پڑا ہے۔ درحقیقت جیسے جیسے اسلامی بنک کھلتے جا رہے ہیں۔ یہ احساس بھی شدت سے ابھر رہا ہے کہ ان بنکوں کی سلامتی اور کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے کہ انہیں نہایت لائق، قابل اور محنتی سٹاف میسر آجائے۔ عام بنکوں کی نسبت اسلامی بنکوں کا سٹاف دو خوبیوں سے بہرہ مند ہونا چاہیے۔ ایک جدید بنکنگ سے بھرپور واقفیت اور دوسرے اسلامی احکام اور تقاضوں کا لازمی علم اور پھر ان کو جدید حالات پر منطبق کرنے کی مطلوبہ صلاحیت۔ چنانچہ اس احساس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسلامی بنکوں کی تحریک نے ایک نہایت مؤثر قدم اٹھایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

اسلامی بنکوں کی تحریک نے ۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۸۱ء کو قبرص کے مشرقی ساحل پر واقع شہر فاماگوستا میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ قبرص میں ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کا نام ہو: "انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک بنکنگ اینڈ اکنامکس"۔ یہ اجتماع اس لحاظ سے نہایت کامیاب رہا ہے کہ اس میں مسلم ممالک کے کئی قابل ذکر ادارے شریک ہوئے ہیں۔ ان اداروں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی بنکوں کی تحریک، سرمایہ کاری کے دوش بدوش "انسان سازی" کی ضرورت بھی محسوس کرتی ہے۔ اور مسلم ممالک کا سنجیدہ عنصر اس تحریک کی کامیابی اور ترقی کے لیے ہر ممکن تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ شریک اداروں کے نام یہ ہیں:۔

۱ — ازہر یونیورسٹی، مصر
۲ — ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، سعودیہ
۳ — ملک فیصل یونیورسٹی دمام، سعودیہ
۴ — اسلامی یونیورسٹی ام درمان، سوڈان
۵ — فیصل فاؤنڈیشن، سعودیہ
۶ — ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ، سعودیہ۔

۷۔ متحدہ عرب امارات یونیورسٹی، ابوظبی ۸۔ امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، ریاض۔
۹۔ استنبول یونیورسٹی، ترکی ۱۰۔ ملایا یونیورسٹی، ملائیشیا۔
۱۱۔ اسلامی یونیورسٹی بنڈونگ، انڈونیشیا ۱۲۔ عرب تربیتی بیورو برائے ممالک خلیج۔
۱۳۔ قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۴۔ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔
۱۵۔ نیشنل یونیورسٹی، ملائیشیا۔ ۱۶۔ سائنٹیفک ریسرچ سنٹر استنبول
۱۷۔ اسلامی بنکوں کا بین الاقوامی وفاق ۱۸۔ شیخ احمد صلاح جمجوم (ذاتی حیثیت میں)

اس اجتماع میں کچھ ادارے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ مثلاً دارالافتاء سعودی عرب، اسلامی سکرٹریٹ، اسلامک کونسل آف یورپ، مدارس اسلامیہ کا عالمی وفاق، سنٹرل بنک ترکی۔

روزنامہ المدینہ جدہ کا نامہ نگار لکھتا ہے:۔

"مذکورہ اداروں کے تمام نمائندوں اور علماء اور مفکرین نے اس ورکنگ پیپر کو منظور کر لیا جو اس ادارے کے قیام کے لیے اسلامی بنکوں کے بین الاقوامی وفاق نے تیار کیا تھا۔ اور جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ جو اسلامی معاشرہ خدا کے قانون کا نفاذ چاہتا ہے اُسے اپنے لیے دو بنیادی ستون فراہم کرنا لازمی ہیں:۔

ایک مختلف مسائل زندگی کے بارے میں عام طور پر اور مالی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں خاص طور پر اسلامی احکام کا علم اور

دوسرا انسانی زندگی کے ان حالات کی مشکلات کا علم جن پر اسلامی احکام کو منطبق کیا جائے۔"

(المدینہ۔ جدہ شمارہ ۱۳ مارچ ۱۹۸۱ء)

چنانچہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شرکائے اجتماع نے اسلامی بنک کاری اور اقتصادیات کا بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ادارے کا مرکز قبرص ہوگا۔ اس کے اغراض و مقاصد یہ ہوں گے:۔

۱۔ جامع اسلامی اقتصادی نظام کی تدوین۔

۲۔ ایسے کارکن تیار کرنا جو اسلامی علوم اور اقتصادیات کے میدان میں تخصیص رکھتے ہوں تاکہ وہ اسلام کے اقتصادی نظام کو صحیح پیمانے پر ترقی دے سکیں۔

۳۔ ایسے کارآمد افراد تیار کرنا جو اسلامی یونیورسٹیوں کے اندر اقتصادیات کے شعبوں میں علمی تحقیق و تربیت کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہوں۔

۴۔ ایسے علمی اور اخلاقی ضوابط وضع کرنا جو اس امر کی ضمانت دیں کہ مالیات کے اسلامی ادارے عملی میدان میں اسلامی شریعت کی پابندی کریں۔

اس ادارے کی تاسیس میں جن علمی اور اسلامی اداروں نے حصہ لیا ہے۔ ان کی فیس رکنیت پچاس ہزار ڈالر اور افراد کی فیس رکنیت ایک ہزار ڈالر رکھی گئی ہے۔ سات ارکان پر مشتمل انتظامیہ تشکیل دی گئی ہے۔ جن میں شیخ احمد صلاح جمجوم، اسلامی بنکوں کے عالمی وفاق کی جانب سے ڈاکٹر حسین حامد، ڈاکٹر عبداللہ نصیف ریکٹر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور ڈاکٹر محمد الطیب النجار ریکٹر ازہر یونیورسٹی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس ادارے کے صدر امیر محمد الفیصل اور سیکرٹری جنرل ڈاکٹر احمد النجار منتخب ہوئے ہیں۔

احمد صلاح جمجوم نے جو اس ادارے کی انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے ہیں، ادارے کے طریق کار کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ "یہ بات سب جانتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں اقتصادی موضوع پر بکثرت مواد پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مواد ایک قیمتی خزانہ ہے۔ مگر یہ خزانہ اس وقت نگاہوں سے اوجھل ہے۔ بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی بنکاری و اقتصادیات پہلے مرحلے میں یہ کوشش کرے گا کہ اس میں کچھ ایسے اسکالر داخل کیے جائیں جو فقہی مواد کے اندر غواصی کرنے کے ساتھ ساتھ مسائل کا استنباط و استخراج کرنے کی مشق کریں۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو فکرِ حاضر کی زبان و اسلوب میں مرتب کریں۔ نیز وہ عہدِ حاضر کی مغربی اقتصادیات کے ساتھ اسلامی اقتصادیات کا موازنہ بھی کریں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس ادارے میں ایسے کارکن اور ماہر بن تیار کریں جو مالی امور اور بنکنگ کے معاملات میں اچھا درک حاصل کر لیں اور اسلامی بنکوں کے اندر عملاً مختلف خدمات سرانجام دے سکیں"۔

اسلامی بنکوں کی کامیابی تین بنیادی چیزوں کی مرہونِ منت ہے۔ ایک خود مسلمانوں کے اصحابِ ثروت حضرات کا تعاون کہ وہ اپنے مالی ذرائع خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ میں جھونکنے کے بجائے غیر سودی اسلامی بنکوں کے حوالے کریں۔ چنانچہ اسلامی تحریکوں کی جدوجہد اور مصلحین امت کے مسلسل

جہاد کی بدولت اب یہ رغبت تو مسلمانوں کے اندر پیدا ہو چکی ہے کہ اگر اُن کے سرمائے کو تحفظ ملے تو وہ یقیناً غیر سودی بنکوں ہی کی طرف رُخ کریں گے۔ چنانچہ جن جن ملکوں میں اسلامی بنک قائم کیے گئے ہیں انہیں سرمائے کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی، بلکہ بعض اسلامی بنکوں کی جانب سرمائے کا اس قدر رُخ بڑھ چکا ہے کہ وہ بنک اپنے انتظامی وسائل کی کمی کی وجہ سے اس سرمائے کو سنبھالنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ مثلاً کویت کے اسلامی بنک کا اس وقت یہی حال ہے۔ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ ان بنکوں کو ایسی انتظامی مشینری فراہم ہو جائے کہ وہ سودی بنکوں کے مقابلے میں بہترین خدمات کا ثبوت بھی فراہم کر سکیں۔ اور بنکاری کو شرعی نقطہ نظر سے کسی پہلو سے مجروح بھی نہ ہونے دیں۔ اس بنیادی چیز کو فراہم کرنے کے لیے اسلامی بنکوں کی تحریک نے قبرص میں مذکورہ بالا ادارہ قائم کر دیا ہے۔ جو انشاء اللہ آئندہ قلیل عرصے کے اندر اپنے نتائج واضح کر دے گا۔ تیسری بنیادی چیز یہ ہے کہ اسلامی بنکوں کو جو سرمایہ فراہم ہو اُسے صحیح بنیادوں پر استعمال کیا جائے۔ بلکہ اُسے صحیح خطوط پر لگانے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ نہ صرف سرمایہ قدرتی رفتار سے نمو پذیر ہو بلکہ اس کی بدولت مسلم ممالک کے اندر مختلف صنعتی، زرعی اور دیگر مفید منصوبوں کے اندر سرگرمی پیدا ہو۔ اور مجموعی طور پر مسلمان ممالک ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہوں۔

اس آخری چیز کو بروئے کار لانے کے لیے امیر محمد الفیصل کی جو اسکیم پچھلے دنوں پریس میں آئی ہے وہ نہایت قابل غور ہے۔ ریاض کے ہفت روزہ الدعوۃ کے مطابق اس اسکیم کا خلاصہ یہ ہے:

"امیر محمد الفیصل نے جو اسلامی بنکوں کے بین الاقوامی وفاق کے صدر ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ پانچ سالوں کے اندر مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک میں ۲۳ اسلامی بنک قائم کریں گے۔ نیز وہ ۳۰ ایسی کمپنیاں قائم کریں گے جن کا نام کفالت کمپنیاں ہوگا۔ اور جو موجودہ انشورنس کمپنیوں کے مقابلے میں اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ایک متبادل نظام کی حیثیت سے وجود میں آئیں گی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لیے ۱۸ کمپنیاں جاری کریں گے۔ جن کے ذریعے سے بنکوں اور کفالت کمپنیوں کے سرمائے کو اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ امیر محمد الفیصل نے کہا ہے کہ یہ تمام مالی ادارے دراصل ایک ایسا جامع اور مربوط نظام ہوں گے، جو عالم اسلام کی ترقی و خوشحالی کے لیے بنیادی وسائل و ذرائع سے بہرہ مند ہوگا۔"

امیر محمد الفیصل نے اسلامی دارالمال کے نام سے ایک مالی ادارے کے قیام کا اعلان کر دیا ہے، جس کا سرمایہ آٹھ سو ملین (۸۰ کروڑ) ڈالر رکھا گیا ہے۔ امیر نے ایک حصے کی قیمت ایک ڈالر رکھ کر اسلامی دارالمال کے حصص مسلمانوں کے اندر فروخت کے لیے کھول دیے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی دارالمال کے قیام کی تجویز ۱۹۷۰ء سے چلی آ رہی ہے، جسے اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسلامی دارالمال کی حیثیت کسی مخصوص ملک اور رنگ سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کی حیثیت اور اس کا دین اسلام ہے۔"

(الدعوۃ - ریاض ۱۸ مئی ۱۹۸۱ء)

سعودی عرب کی علماء کی سپریم کونسل کی طرف سے اسلامی دارالمال کی مکمل اسکیم اور قواعد و ضوابط کا مطالعہ کرنے کے بعد اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ شرعی نقطہ سے یہ اسکیم بالکل درست اور صحیح ہے۔ کونسل نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ اس اسکیم کے تحت اپنا سرمایہ لگائیں۔ دارالمال کا موجودہ عارضی مرکز جنیوا ہوگا جسے بعد میں آئندہ کسی مسلمان ملک کے اندر منتقل کیا جائے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دارالمال کے لیے جنیوا کو بطور مرکز کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب خلیج سرمایہ کاری کمپنی کے وائس چیئرمین ڈاکٹر مصطفیٰ کامل نے یہ دیا ہے کہ دارالمال کے لیے مصر کو بھی مرکز بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن مصر کا موجودہ دیوانی قانون جو زیادہ تر فرانسیسی قانون سے ماخوذ ہے اور ۱۹۳۸ء سے نافذ ہے کسی کاروباری کمپنی کو نفع و نقصان کے اصول پر کاروبار کرنے کی کھلی اجازت نہیں دیتا۔ جب کہ سوئٹزرلینڈ کا موجودہ دیوانی قانون مجریہ ۱۸۷۰ء اس امر میں مانع نہیں ہوتا کہ سوئٹزرلینڈ میں نفع و نقصان کی اساس پر سرمایہ لگایا جائے۔ تاہم ہمارا یہ فیصلہ کہ جنیوا دارالمال کا مرکز ہو، عارضی ہے۔ آئندہ کسی مسلم ملک کو ہی منتخب کیا جائے گا۔

(الدعوۃ - ریاض یکم جون ۱۹۸۱ء)

امام ابن تیمیہؒ

۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ

از جناب عبدالرشید عراقی

(۴)

امام ابن تیمیہ اسکندریہ میں

امام ابن تیمیہؒ جب مصر سے اسکندریہ کو روانہ ہوئے تو ایک جمِ غفیر نے آپ کو شاہانہ اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ جب آپ اسکندریہ پہنچ کر دربارِ شاہی میں پہنچے تو سلطان نے خود چند قدم آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ سلطان کے ساتھ مصر و شام کے قضاۃ اور علمائے کرام بھی تھے۔ قاضی جمال الدین ابن القلانسی جو اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے ابن تیمیہ کی آمد اور سلطان کے استقبال کا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے، جس کو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ قاضی جمال الدین بیان کرتے ہیں:-

"جس وقت سلطان کو اطلاع ملی کہ ابن تیمیہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سرو قد کھڑا ہو گیا۔ اور ایوانِ سلطنت کے کنارے تک چل کر آیا۔ وہاں دونوں کی ملاقات اور معانقہ ہوا۔ سلطان ابن تیمیہؒ کو لیے ہوئے قصرِ شاہی کی اس منزل کی طرف آیا، جس کی کھڑکی باغ کی طرف کھلتی ہے۔ وہاں دونوں تنہا ایک گھڑی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر دونوں دربار کی طرف اس ہیئت سے آئے کہ شیخ کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا۔ سلطان بیٹھ گیا۔ اس کے دائیں جانب ابن جماعہ، قاضی مصر، بائیں طرف ابن الخلیلی وزیر سلطنت تھے۔ ابن تیمیہ سلطان کے سامنے اس کے مسند کے پاس بیٹھے تھے۔ وزیر نے اس وقت یہ درخواست دی کہ اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کو سفید عماموں کے استعمال کی اجازت

حسب دستور سابق دی جائے ۔ انہوں نے خزانہ شاہی کو سات لاکھ سالانہ کی پیشکش کی ہے ۔ یہ موجودہ ٹیکس کے علاوہ ہوگا ۔ اس وقت مجلس پر سکوت طاری تھا ۔ قضاۃ و اکابر علماء سب خاموش تھے ۔ اس میں علامہ ابن الزملکانی بھی تھے ۔ سلطان نے قضاۃ و علماء کی طرف خطاب کر کے فرمایا ۔ آپ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں ۔ اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ اس پر ابن تیمیہؒ اپنے گھٹنوں کے بل پر بیٹھ گئے ۔ اور بڑے جوش و غصہ کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کی ۔ اور وزیر پر سختی سے جرح کی ۔ ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی ۔ اور سلطان اُن کو نرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا ۔ اس وقت ابن تیمیہؒ نے اس طرح گفتگو کی کہ دوسرا شخص اس کی جرأت نہیں کرسکتا تھا ۔ انہوں نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کے اس پہلے دربار کا افتتاح اس کارروائی سے ہو کہ آپ فانی دنیا کی حقیر منفعت کے لیے اہل ذمہ کی مدد کریں ۔ اللہ نے آپ پر کتنا بڑا احسان کیا کہ آپ کی کھوئی ہوئی سلطنت دلا دی ۔ آپ کے دشمن کو ذلیل و خوار کیا ۔ اور حریفوں پر آپ کو فتح دی ۔ سلطان نے یہ سن کر کہا ۔ یہ قانون تو جاشنیگر کا بنایا ہوا ہے ۔ ابن تیمیہؒ نے کہا ۔ یہ تو آپ ہی کے فرمان سے ہوا ، جاشنیگر تو آپ کا نائب تھا ۔ سلطان کو ابن تیمیہؒ کی حق گوئی پسند آئی اور یہ قانون بدستور رہا ۔[1]

قاہرہ واپسی اسکندریہ سے واپس قاہرہ پہنچے اور آتے ہی پھر درس کی مسند سنبھال لی ۔ بحث و کلام کا سلسلہ شروع کرایا ۔ افتاء و ارشاد ، اور تعلیم میں منہمک ہو گئے ۔ پہلے قاہرہ میں زیادہ قیام کا ارادہ نہیں تھا ۔ اب آپ نے اپنے قیام کو طویل کر دیا ۔ اور خط لکھ کر گھر سے بہت سی کتابیں بھی منگوائیں ۔[2]

اس کے بعد پورے انہماک کے ساتھ امام صاحب درس و افتاء میں مشغول ہو گئے ۔ ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا ۔ اجتہاد کا بھی اور مسائل متنوعہ و مختلفہ میں تحقیقات کا بھی ۔[3]

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۱۱۳-۱۱۴

[2] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۱۳۳ [3] ایضاً صفحہ ۱۴۵

دمشق واپسی ۷۱۲ھ میں سات سال کے بعد حضرت امام صاحب دمشق واپس پہنچے، سلطان آپ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ دمشق واپس پہنچ کر امام ہمہ تن اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

امام صاحب پھر جیل میں قیام دمشق کے دوران امام ہمہ تن تصنیف و تالیف، درس و افتا اور وعظ و تذکیر میں مشغول تھے کہ آپ کے خلاف ایک نیا ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اس ہنگامہ کی وجہ آپ کا فتوٰی زیارتِ قبور تھا، جو آپ نے ۱۷ سال قبل دیا تھا۔

کہ قبر کی زیارت کے لیے (خواہ وہ قبر انور ہو علٰی صاحبہ الف صلاۃ وسلام) اہتمام سے سفر کر کے جانا (جس کو عربی میں شد الرحال کہتے ہیں) جائز نہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے۔ لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصٰی۔ (کجاوے نہ کسے جائیں۔ (اہتمام سے سفر نہ کیا جائے۔ مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میری مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصٰی (بیت المقدس)[1]۔

امام صاحب دمشق میں تھے اور سازش آپ کے خلاف مصر میں ہو رہی تھی۔ مخالفین نے فتوٰی کو الٹ پلٹ کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ اور اس میں بہت سی تحریف کر دی۔ سلطان نے بغیر اس تحقیق کے کہ فتوٰی جس نے دیا ہے اس سے بھی دریافت کیا جائے۔ امام صاحب کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا[2]۔

چنانچہ سلطان کا فرمان دمشق پہنچا اور امام صاحب کو مطلع کیا گیا۔ اس کے بعد آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔ اس دفعہ اس کی بھی اجازت دی گئی کہ آپ اپنی خدمت اور رفاقت کے لیے اپنے بھائی کو ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اور ان کے مصارف کے لیے ایک رقم بھی مقرر کر دی[3]۔

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۱۲۷

[2] حیات ابن تیمیہؒ ابو زہرہ صفحہ ۱۵۰

[3] ایضاً

جیل میں امام ابن تیمیہؒ کے مشاغل

عرصۂ دراز کے بعد شیخ کو یکسوئی اور سکون کی دولت حاصل ہوئی۔ آپ نے اس خلوت میں یکسوئی اور ذوق شوق کے ساتھ تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی۔ کتابوں کی تصحیح و تنقیح کی اور عبادت وتلاوت میں مشغول رہے۔ آپ جتنا عرصہ جیل میں رہے۔ اس دوران آپ نے ۸۰ مرتبہ قرآن مجید کا دَور کیا۔ اس کے علاوہ بعض مسائل کے جوابات لکھے۔ اور زیادہ تر آپ نے جیل میں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں لکھا۔ جیل میں حضرت امام جو کچھ لکھتے، لوگ اُس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ اور آپ کی وہ تحریر فوراً ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی۔ حاسدین نے امیر دمشق سے شکایت کی کہ امام ابن تیمیہؒ کو قلم دوات سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ سے قلم دوات اور کاغذ اور جتنی کتابیں تھیں، سبھی سرکار ضبط کر لی گئیں۔ امام صاحب نے اس پر کسی قسم کی جزع فزع نہیں کی۔ اور نہ ہی حکومت سے شکایت کی۔ آپ نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کر دیا۔[1]

زندگی کے آخری دن اور وفات

حضرت امام کے بھائی زین الدین عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ آپ نے میرے ساتھ قرآن پاک کے ۸۰ دور ختم کیے۔ جب ۸۰ دور ختم کرنے کے بعد ۸۱ ویں مرتبہ سورۃ القمر کی اس آیت

ان المتقین فی جنت و نھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

(پرہیزگار لوگ بلاشبہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ اور مقتدر بادشاہ کے نزدیک سچی جگہ حاصل کیے ہوں گے)

پر پہنچے تو بیماری کی شدت کی وجہ سے اس کے بعد تلاوت نہ کر سکے اور آپ پر سکرات طاری ہوگیا۔ اور چند گھنٹوں کے اندر ان کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ واقعہ ۲۸ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کا ہے[2]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم صفحہ ۱۴۲

[2] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۵۸۱

انتقال کا اعلان اور لوگوں کا ہجوم

امام صاحب کی وفات کی اطلاع قلعہ کے مؤذن نے مینار پر چڑھ کر دی۔ شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا اور اذنِ عام دے دیا گیا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور زیارت کرتے تھے[1]

جنازہ کی کیفیت اور تدفین

غسل کے بعد جب جنازہ تیار ہو گیا تو پہلی نماز قلعہ میں پڑھائی گئی، جو شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ باہر لایا گیا۔ قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان ہجوم اتنا تھا کہ لوگوں کا گزرنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور ہجوم کی کثرت کی وجہ سے فوج کو انتظام سنبھالنا پڑا۔ اسی حال میں ایک آواز بلند ہوئی۔

هكذا تكون جنائز ائمة السنة

ائمہ سنت کا جنازہ اسی طرح کا ہوتا ہے۔

یہ سُن کر کہرام مچ گیا۔

ظہر کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ ہجوم لحظہ بلحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ بازار ہوٹل سب بند تھے۔ بہت سے لوگوں نے روزہ کی نیت کر لی۔

آخر اس آفتابِ علم و مجدّدِ ملت کو عصر کے قریب اُن کے بھائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

جنازہ میں حاضرین کی تعداد ۲ لاکھ سے متجاوز تھی اور ۱۵ ہزار عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔ امام ابن کثیر کا بیان ہے کہ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کا جنازہ کی مثال نہیں ملتی[2]

نماز جنازہ غائبانہ

اکثر اسلامی ممالک میں حضرت امام کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں،

اکثر قریب و بعید ممالکِ اسلامیہ میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ یہاں تک کہ یمن اور چین میں نماز جنازہ ہوئی۔ مسافروں نے بیان کیا ہے کہ چین کے ایک بعید ترین شہر میں جمعہ

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۱۳۶

[2] حیات ابن تیمیہؒ ابو زہرہ صفحہ ۱۵۸

کے دن نماز جنازہ (غائبانہ) کا اعلان ان الفاظ میں ہوا کہ ترجمان القرآن کی نماز جنازہ ہوگی[1]

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں:۔

امام موصوف کی وفات سے ساٹھ ستر سال بعد ابن بطوطہ نے چین کا سفر کیا تھا ان کو موجودہ شہر پیکن کے قریب قبائل عرب، تجارِ اہل اسلام کی ایک بہت بڑی آبادی ملی تھی۔ جس میں فقہاء و محدثین و اصحاب درس و تدریس موجود تھے۔ شیخ بدرالدین محدث نے اُن کی دعوت کی۔ اس کے علاوہ عام دیارِ چین میں بھی ہر جگہ عرب اور نومسلم بتعداد کثیر موجود تھے۔ اور بلاد عربیہ سے آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ انہی لوگوں نے امام موصوف کی خبر وفات سن کر نماز جنازہ پڑھی ہوگی۔[2]

اور مولانا مرحوم چین کے ایک بعید ترین شہر کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

اس سے مقصود وہی نو آبادی ہوگی۔ جو موجودہ شہر پیکن کے قریب ابن بطوطہ کو ملی تھی[3]

ذاتی اوصاف اور اخلاق و عادات

امام ابن تیمیہ کی زندگی اسوۂ رسول کا ایک روشن ترین نمونہ تھی۔ وہ اپنے ہر فعل اور ہر عمل میں کتاب و سنت ہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ فرائض اور سنن کے پابند تھے۔ انہوں نے عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کی۔ وضع، قطع، لباس میں عام آدمیوں سے کوئی امتیاز نہیں تھا۔ ان کو صرف ان کے تبحر علمی ہی کی بناپر امتیاز کیا جاسکتا تھا میانہ روی اُن کا شعار تھا۔

معمولات

شب و روز عبادت میں مشغول رہتے۔ تلاوتِ قرآن سے بہت زیادہ شغف تھا رات دن عباداتِ مسنونہ سب بجالاتے۔

ذوق مطالعہ

بچپن سے مطالعہ کا شوق تھا۔ مطالعہ بڑی گہری نظر سے کرتے تھے۔ اور مشکل سے

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۱۳۹ بحوالہ طبقات الحنابلہ ابن رجب جلد ۲ صفحہ ۴۰۷

[2] تذکرہ ابوالکلام صفحہ ۱۹۹ [3] ایضاً ص ۲۰۰

مشکل مسائل آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ متقدمین اور متاخرین کی کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کی نظر سے گزری نہ ہو۔ اپنے زمانے کے علوم متداولہ پر کامل عبور حاصل کر لیا تھا۔ عربی ادب، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، فلسفہ، کلام، تصوف، نحو، ریاضی، غرض زمانے کا کوئی ایسا علم نہیں تھا، جس کا انہیں تحقیقی علم حاصل نہ ہوا ہو۔

خطابت بہترین خطیب تھے۔ مختلف مسائل کو ایسے دلچسپ انداز میں پیش کرتے تھے کہ سامعین کبھی بھی ان کی تقریر سے نہیں اُکتاتے تھے۔

حق گوئی وبے باکی یہ اُن کا ممتاز ترین وصف تھا۔ حق بات میں وہ کسی بادشاہ یا وزیر یا رئیس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور آپ نے اپنی زندگی میں افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جائر (بہترین جہاد ظالم سلطان کے سامنے حق بات کا کہنا ہے) کا حدیث پر پورا عمل کر کے دکھایا۔

شجاعت اور بہادری امام ابن تیمیہ صاحبِ علم وقلم کے ساتھ صاحب سیف بھی تھے اور آپ نے اپنی بہادری کے جوہر تاتاری لڑائیوں میں دکھائے۔

عاجزی وانکساری امام صاحب بہت ہی منکسر المزاج تھے۔ اگر اُن کی صحیح تعریف کی جاتی تو فرماتے کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ میں ملتِ اسلامیہ کا ایک ادنیٰ فرد ہوں۔

زہد واتقا امام صاحب کی اُٹھان ہی زہد واتقا پر ہوئی تھی۔ اور انہوں نے اس کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ علم اور زہد اُن کو وراثت میں ملا تھا۔

ایثار وسخاوت امام صاحب کوئی مالدار آدمی نہیں تھے تاہم دار الحدیث السکریہ اور دار الحدیث الحنبلیہ سے جو تنخواہ ملتی تھی۔ اُس میں سے اپنی استطاعت کے مطابق حاجت مندوں کی اعانت کرتے تھے۔ امام صاحب نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ اُن کا کھانا پینا زیادہ تر اُن کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ بن تیمیہ کے ہاں تھا۔

عفو ودرگذر امام صاحب کی زندگی ہمیشہ ہنگاموں سے بھری رہی۔ ہمیشہ مخالفین نے تنگ کیا۔ اُن کے خلاف قتل کی سازش کی گئی۔ اُن کو کئی بار جیل بھجوایا گیا۔ مگر انہوں نے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ سب کو صدقِ دل سے معاف کر دیا۔

تواضع و فروتنی امام صاحب غایت درجے کے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

استغناء استغناء میں اپنی مثال آپ تھے اور آپ نے اپنی پوری زندگی کبھی بھی حکومت سے کسی قسم کی کوئی شے قبول نہیں کی۔

سرعتِ تصنیف سرعتِ تصنیف کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات ایک ایک دن میں پوری جلد لکھ ڈالتے تھے۔

رسالہ حمویہ ظہر و عصر کے مابین ایک ہی نشست میں لکھ دیا تھا۔[1]

(باقی)

تصحیح

۱۔ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کے مضمون "شوال المکرم" میں ترجمان القرآن کے صفحہ نمبر ۱۰ پر "شوال، ذی قعدہ اور ذوالحج کے بیس دن" کی عبارت میں "بیس دن" کے بجائے "دس دن" ہونا چاہیے۔

۲۔ اسی مضمون میں صفحہ نمبر ۱۱ پر سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۱ میں صحیح الفاظ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ہیں۔ (مدیر)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

---

[1] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۵۸۹ تا ۶۰۰ - حیات ابن تیمیہؒ ابو زہرہ صفحہ ۱۶۳ تا ۱۷۱

مطبوعات

تدبر زیر نگرانی: مولانا امین احسن اصلاحی؛ ترتیب کے لیے مولانا اصلاحی سمیت ۵ اصحاب پر مشتمل مجلس۔
ناشر: ادارۂ تدبر قرآن و حدیث۔ رحمٰن اسٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور۔
صفحات: ۴۸۔ کاغذ سفید، ٹائیٹل سادہ یک رنگ، کتابت و طباعت مناسب۔ قیمت: ۳/- روپے

نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کوئی ماہانہ رسالہ ہے یا محض ایک سلسلۂ مطبوعات۔ بہر حال سلسلہ نمبر ۱ اور ماہ جولائی ۱۹۸۱ء کا اس پر اندراج ہے۔

مولانا اصلاحی نامور عالم دین اور مفسر ہیں۔ انہوں نے تفسیر تدبر قرآن لکھی ہے۔ جس کے اساسی خطوط امتیاز کا تعلق مولانا حمید الدین فراہی مرحوم کے طرزِ فکر سے ہے۔ انہوں نے قرآن کے فہم کے لیے نظمِ قرآن کے شعور کو لازم ٹھہرایا۔ نظم کے مسئلے میں وہ اتنی گہرائی تک گئے کہ سورتوں کا تعلق سورتوں سے، آیتوں کا آیتوں سے اور لفظوں کا لفظوں سے اپنے خاص اسلوب سے واضح کیا۔ نظمِ قرآن کے متعلق پہلے بھی علماء و مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے اور مجموعی طور پر سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ نظم ہر بامعنی کلام میں ہوتا ہے۔ مگر مولانا فراہی نظمِ قرآن کے ایک مستقل اسکول کے موسس تھے۔ اور مولانا اصلاحی، فراہی اساسیاتِ فکر پر تعمیرِ مزید کر رہے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے رسالہ تدبر کا اجرا بھی بہت اچھے عزائم سے ہوا ہے۔

ہم جیسے عامیوں کے لیے متذکرہ دونوں بزرگوں کے فکر کی بلندی اور علم کی گہرائی خاصی ہمت آزما ہے۔ لہٰذا ان کی پروازوں اور غواصیوں سے ہم مستفید تو ہو سکتے ہیں، مبصر و ناقد نہیں ہو سکتے۔

خدا کرے کہ ان کا کام دین کے لیے مفید ہو، وہی اس کام سے متاثر نوجوانوں کو اس قابل بنائے کہ وہ غلبۂ باطل کے اس دَور میں دعوتِ حق کو ایک بار پھر دُنیا کے لیے چیلنج بنا دیں اور ملت میں بھی اقامتِ دین کے لیے وہی وحدتِ نظم پیدا ہو سکے جو قرآن میں ہے۔

بطور نام "تدبر" کا انتخاب اچھا ہے۔ اِس سے فوری طور پر اُس طرزِ فکر کی طرف توجہ منعطف ہو جاتی ہے جو متعلقہ ادارے کا ہے۔

نگارشِ اقبال
مرتب : خالد حامدی
ناشر : ادارۂ شہادتِ حق
۸۰۱ ، جامع مسجد دہلی ۶
قیمت : ۱۰/- روپے

نیوز پرنٹ پر اچھی چھپی ہوئی پونے تین سو صفحات سے زائد کی یہ کتاب قیمت میں بہت ارزاں ہے ۔ مرتب نے اقبال کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، پروفیسر رشید احمد صدیقی ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، مولانا ماہر القادری ، انعام الرحمٰن خان ، ایم ۔ ایس ناز ، میاں علی بخش ، پروفیسر حمید احمد خاں ، خواجہ عبدالوحید ، سید نذیر نیازی ، سید اسعد گیلانی ، ابو راشد فاروقی ، ڈاکٹر محمد ریاض تہرانی ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ، نعیم صدیقی ، خیرات ابن رسا ، م ۔ ش ، صابر کلوروی اور خود علامہ اقبالؒ کی تحریریں جمع کی ہیں ۔ معیارِ انتخاب تعمیری ہے ۔ اقبال شناسی کے سلسلے میں یہ چھوٹا سا مجموعہ بہت مفید ہوگا ۔
